ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

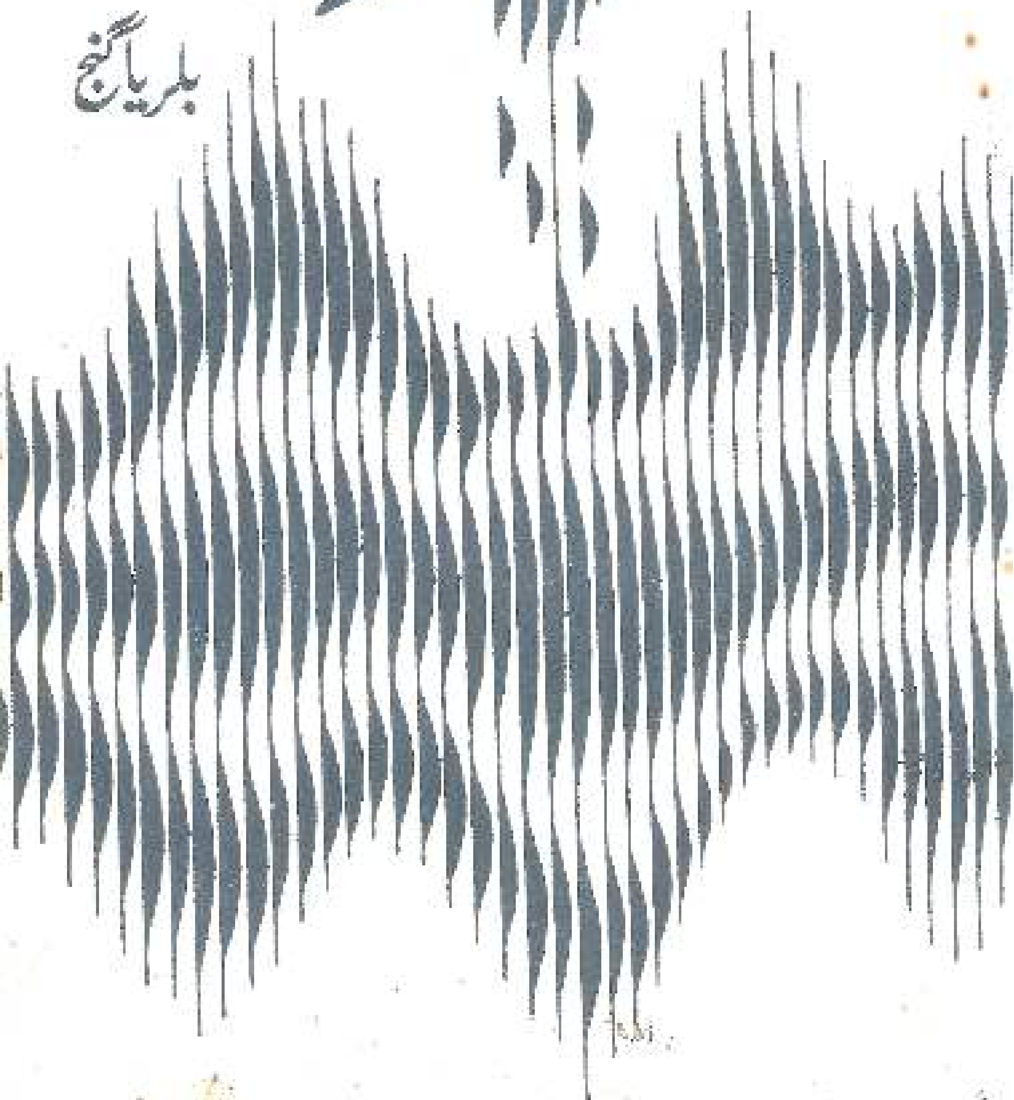

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ نمبر ۶-۷	صفر و ربیع الاول ۱۴۱۹ھ جون و جولائی ۱۹۹۸ء	جلد نمبر ۱۲

معاون مدیر	مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی	عبدالبر اثری فلاحی	نور محمد فلاحی

سالانہ زر تعاون: 50.00 روپے	طلبہ کے لئے: 40.00 روپے
خصوصی زر تعاون: 100.00 روپے	اعزازی زر تعاون: 1000.00 روپے
بیرون ملک سے: 25.00 امریکی ڈالر	قیمت فی شمارہ: 5.00 روپے

اس شمارے کی قیمت 7.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے براہ کرم سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

[illegible]

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح

بلریاگنج۔ اعظم گڑھ ۲۷۶۱۲۱ (یو.پی.) فون نمبر 05466-25115

نقوش حیات نو

صفحہ

- **ادا ریہ**
  - ہائے وہ جانِ گلستاں نہ رہا — افتخار الحسن مظہری — ۳
- **ہدایت کے چراغ**
  - حضرت عامر بن شراحیل شعبیؒ — ابو جلیس ندوی — ۶
- **بحث و نظر**
  - مولانا ابو بکر اصلاحیؒ — عبد البر اثری فلاحی — ۱۳
  - بنارس کی عالمگیری مسجد "گیان باپی" — مولانا ابو بکر اصلاحیؒ — ۳۱
  - انٹرنیٹ پر "الاسلام" کا نام احمدیوں نے الاٹ کرالیا — ڈاکٹر نور احمد شاہتاز — ۳۶
- **مذاہب عالم**
  - نصرانیت — ادارہ — ۳۹
- **باب الاستفتاء والجواب** — انیس احمد مدنی — ۴۳
- **تعارف و تبصرہ**
  - سہ ماہی "اردو دنیا" (خصوصی شمارہ) — ابو عمار فلاحی — ۴۶
  - اسلام حقیقت کے آئینے میں
- **جامعہ کے لیل و نہار**
  - محترم طیب عثمانی صاحب کا خطاب عام، امتحانات، اظہار تعزیت، اعلان عام — ادارہ — ۴۹
- **رودادِ انجمن**
  - دہلی یونٹ کی تربیتی نشست — محمد ارشد مہدی — ۵۱
- **خطوط و مسائل** — مولانا ضیاء الدین اصلاحی، صفدر سلطان، ڈاکٹر رضوان احمد فلاحی — ۵۲

ادا ریہ

افتخار الحسن مظہری

ہائے وہ جانِ گلستاں نہ رہا

جامعۃ الفلاح کے تعلیمی و تربیتی خد و خال کو، اس کے تحریکی رنگ و آہنگ کو جس نے وہ جمالِ جہاں آرا عطا کیا کہ وہ ملت کی آرزوؤں کا چراغ بن سکا، اس خد و خال کی حنا بندی کرنے والی شخصیات میں، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریوں کی نزاکت کے احساس، اس کے نشیب و فراز کے تجربہ و مشاہدہ اور تنظیمی امور میں دانشمندانہ احتیاط کی روش کے لحاظ سے مولانا ابو بکر اصلاحیؒ کا نام جامعہ کے ماحول میں تا دیر اور اس کی تاریخ میں شاید تا حیات لیا جاتا رہے، رہی ان کی شخصیت کے جلال و جمال کی دلنوازی کی بات تو ایسا لگتا ہے کہ!

مولانا آج بھی ہیں وہی صدرِ انجمن

اور صرف تنظیمی و تربیتی امور و معاملات میں وقار و تمکنت کی قائم کی ہوئی ان کی روایت کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ عام اطوارِ زندگی کے اعتبار سے بھی ان کا سراپا جامعہ کے صدر الصدور کی حیثیت سے یہاں چلتا پھرتا محسوس ہوتا ہے۔ یہاں سے دور جب بھی ان کے دور کا کوئی طالب علم اپنی چشم تصور سے جامعہ کو دیکھنا چاہے گا تو سب سے پہلے مسجد کی محرابیں اس کی نگاہ میں ابھریں گی اور ساتھ ہی ساتھ مولانا کی محراب نما شخصیت بھی: میں نے بارہا مولانا کو محراب کے درمیان کھڑا ہوا دیکھا، مجھے جمالِ محراب اور جمالِ شخصیت میں تماثل و توازن کی عجب شانِ دلربائی نظر آتی، محسوس ہوتا تھا کہ مولانا کی شخصیت کا جمال محراب کے حسن میں اتر آیا ہے یا محراب کا جمال و حسن مولانا کی شخصیت میں ڈھال دیا گیا ہے۔ شاید ایسا اس لئے تھا کہ جس عبادت نے محراب پر تقدس کی ردا ڈالی اسی عبادت کی روح سراپا تقدس بن کر ان کی شخصیت کے آئینے میں منعکس ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس عبادت کے تعلق

سے ان کی تربیت و نصیحت بڑی کارگر ہوا کرتی تھی۔

ہر سال کی ابتدا میں نئے داخلے ہوتے ہیں۔ ان میں اکثریت ایسے طلبہ کی ہوتی ہے جو دینی فرائض و واجبات کی ادائیگی کے لحاظ سے کندۂ ناتراشیدہ ہوتے ہیں ایسے طلبہ میں نماز کا ذوق پیدا کر دینا بڑا کٹھن کام ہوتا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ مولانا کی معمولی سی نصیحت نماز کا ایسا لذت آشنا بنا دیتی تھی کہ تہجد کی شب بیداری بھی آسان ہو جاتی تھی۔

کئی سال پہلے کی بات ہے، میرے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ کیا طلبہ کو پڑھانا اور ان کی تعلیم و تربیت میں حصہ لینا ایسا کارِ اجر و ثواب ہے جس سے فلاحِ آخرت کی توقع کی جا سکے، یکایک دل سے آواز آئی کہ طلبہ کی دینی زندگی کا جائزہ لیکر دیکھو، معلوم ہو جائے گا، اس جائزہ کے لئے میں رات کے پچھلے پہر اٹھا، ساری بورڈنگ نیند کی آغوشِ لذت و آرام میں بے خبر پڑی تھی، کسی کمرے سے تکبیر یا آخرِ شب کی آواز نہ آئی۔ مجھے کچھ مایوسی ہوئی، میں ٹہلتے ہوئے مسجد کی طرف جا نکلا، میری آنکھوں میں آنسوؤں کے اجالے چمک اٹھے جو صداقت بھری زبان سے کہہ رہے تھے یہ برگزیدہ ہیں، ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریوں میں شرکت یقیناً فلاحِ آخرت کا ذریعہ ہے، میں دیر تک دیکھتا رہا کہ جو طلبہ رات گئے تک مطالعہ میں معروف تھے وہ اس وقت اپنے رب کے حضور دست بستہ قیام و قعود کی سنت ادا کر رہے تھے۔

پھر میں مطمئن ہو کر اپنی آخرت سنوارنے کے کام میں لگا رہا، پانچ چھ سال اسی کیفیتِ اطمینان میں گذرے تھے کہ پھر دنیا سامنے آگئی اور آخرت تھوڑی دیر کے لئے پس پشت جا پڑی، میں نے بعض احباب کے مخلصانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ اپنے آپ کو زیادہ سکوں کے عوض تول دوں گا، میں نے استعفا پیش کر دیا، مولانا کو معلوم ہوا تو مجھے بلایا، اپنی عادت کے مطابق مجھے دیکھ کر خوب مسکرائے پھر فرمایا۔

" دنیاوی آسودگی صبر و شکر کے جذبہ سے حاصل ہوتی ہے دولت کی بہتات سے نہیں پھر آخرت کو بھی تو سامنے رکھنا چاہیئے "

میری آنکھوں میں پھر وہی آنسو امنڈ آئے جو چھ سات سال قبل طلبہ کو معروفِ مناجات دیکھ کر امنڈ آئے تھے، یہ آنسو مجھے سرزنش کر رہے تھے کہ جامعہ چھوڑ کر میں دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دوں۔

اس واقعہ کے بعد مولانا نے مجھے دو بار اپنے گھر چلنے کی دعوت دی، پہلی بار گیا تو بڑی ٹھاٹھ دار رہائش اور ناؤ نوش کا بڑا پرتکلف انتظام تھا، دوسری بار پہونچا تو اپنے حجرہ خاص میں ٹھہرایا جہاں ایک چارپائی، مصلی وضو کا لوٹا اور چند کتابوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کھانا بھی اپنے ساتھ کھلایا جو سادگی کا مظہر اور ان کے معمول کے مطابق تھا، گویا انھوں نے مجھے یہ بتایا کہ دنیا قدرت امتحاناً دیتی ہے، اس میں الجھ کر زندگی رائیگاں کرنا ہوشمندی نہیں۔

دعا ہے کہ وہ جو نیکیاں ہم میں چھوڑ کر گئے ہیں اللہ ان کو برگ و بار عطا کرے کہ وہ:-

سورج تھا زندگی کی رمق چھوڑ کے گیا　　وہ ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ کے گیا

عامر بن شراحیلؒ

ابو جلیس ندوی

دین و ایمان کا موسم شباب تھا۔ اسلامی تاریخ کے خندور ایام تھے عمر فاروقؓ کی خلافت کے چھ سال پورے ہونے کو آرہے تھے کہ کوفہ کی سرزمین علم و معرفت پر ایک لاغر و نحیف بچہ مولود ہوا جو آگے چل کر تمام ملت اسلامیہ کا فرزند اور اسلامی تاریخ کا ہیرو ثابت ہوا۔

یہ بچہ توام تھا۔ توام ہونے کی وجہ سے رحم مادر میں نشو و نما کی کشادہ فضا اسے میسر نہ ہو سکی۔ اس لئے حد درجہ دبلا پتلا تھا لیکن علم و معرفت، ذہانت و اتقان، ادراک و آگہی اور ابداعی قوت و صلاحیت میں وہ اپنے عہد کا تتمہ و سراب ہوا۔ اسی کو آج دنیا امام شعبیؒ کے نام سے جانتی اور یاد کرتی ہے جن کا پورا نام عامر بن شراحیل حمیری ہے۔

ان کی پیدائش تو کوفہ میں ہوئی لیکن ان کے دل و دماغ میں مدینہ کی گلیاں بسی ہوئی تھیں۔ وہی انکی آرزوؤں اور امیدوں کی قرارگاہ تھی۔ اسی لئے شوق محبت بار بار انہیں کھینچ کر مدینہ لے جاتا تاکہ صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو اور علوم نبوت کی میراث سے بھی حسب توفیق دامن مراد پر ہوتا جائے۔

کوفہ چونکہ جہاد کا مرکز تھا۔ یہیں سے ساز و سامان جہاد لے کر اسلامی فوجیں جہاد کے لئے روانہ ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی آمد و رفت بھی یہاں زیادہ ہوا کرتی تھی۔ عامر ان تمام صحابہؓ سے ملاقات کرتے اور علمی استفادہ کی کوشش کرتے۔ اس طرح تقریباً پانچ سو صحابہ کرامؓ سے روایات نقل کرنے کا انہیں امتیاز حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زید بن ثابتؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو سعید خدریؓ، نعمان بن بشیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عدی بن

حاتمؓ، ابو ہریرہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ جیسے جلیل القدر علماء صحابہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہوا۔

امام شعبیؒ حد درجہ ذہین، بیدار مغز، روشن دل، دقیقہ رس، کشادہ فکر اور بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے اس لئے انہیں کبھی کوئی چیز قلم بند کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ جب بھی کسی نے حدیث سنائی انکے حافظہ میں ثبت ہو کر رہ گئی، جب بھی کسی سے کوئی بات سنی دل و دماغ میں اس طرح بیٹھ گئی کہ سنانے والے کو دوبارہ سنانے کی زحمت نہ دی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ علم کے دلدادہ، شیدا اور اس کے عاشق زار تھے۔ اپنی جان اور مال اس پر قربان کرتے۔ اس راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے۔ اس جادۂ محبت میں ابتلاء و آزمائش کے دشوار گزار مرحلوں سے خنداں و فرحاں گزر جاتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ شام کے ایک سرے سے یمن کے آخری سرے تک سفر کا جوکھم اٹھا کے اگر کوئی ایسا جزئی علم بھی حاصل کر لے جو اس کی مستقبل کی راہوں کو منور کر دے تو وہ سفر کامیاب ہے۔ ان کے علمی تبحر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے اشعار بہت کم میں نے یاد کئے ہیں حالانکہ انہیں سنانے لگوں تو کسی کو دہرائے بغیر سنتے سناتے مہینے ختم ہو جائیں گے۔

کوفہ کی جامع مسجد میں ان کا حلقہ درس لگتا تو صحابہ کرامؓ کے موجود ہوتے ہوئے بھی لوگ انہیں کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ مغازی کا درس دے رہے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے سنا تو فرمایا یہ واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور بعض بعض میں بذات خود شریک بھی رہا ہوں لیکن اس وضاحت و خوبی سے میں انہیں بیان نہیں کر سکتا جس وضاحت و خوبی سے شعبیؒ بیان فرما رہے ہیں۔

اس علمی وسعت و گہرائی و بیدار مغزی کی شہادتیں بے شمار ہیں، ان میں سے بعض خود انہیں کی زبانی سنئے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"دو آدمی میرے پاس آئے وہ دونوں کو ایک دوسرے پر قومی برتری کا دعویٰ تھا ایک بنو عامر کے قبیلے کا تھا اور دوسرا بنو اسد قبیلے کا، عامری اسدی کے مقابلے میں دبنگ تھا، اسدی کا گریبان کھینچتے ہوئے اسے میرے پاس لا رہا تھا، میں نے دیکھا کہ اسدی کم ہمتی کے احساس سے شرمسار ہو کر کہہ رہا تھا مجھے چھوڑ دو، جانے دو۔ عامری کہہ رہا تھا نہیں، تجھ کو نہیں چھوڑوں گا، شعبیؒ کے پاس لے چلوں گا، تاکہ تیرے مقابلے میں میری برتری کا وہ فیصلہ سنا دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عامری کی جانب متوجہ ہوا، اس سے کہا کہ گریبان چھوڑو، میں تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں، پھر میں نے اسدی کو متوجہ کر کے کہا: "آخر تم شرمسار کیوں ہو، قومی شرف و امتیاز میں تو کوئی عرب تمہاری ہمسری نہیں کر سکتا، تمہارا پہلا امتیاز یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تمہاری قوم کی ایک خاتون کو پیغام نکاح دیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی شادی بارگاہ قدس میں فرشتوں کو گواہ بنا کر انجام دلائی۔ جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اس شادی کی بشارت لے کر آئے۔ تمہاری قوم کے لئے یہ باعث افتخار خاتون زینب بنت جحشؓ ہیں، تمہارے سوا کسی عرب کو یہ امتیاز حاصل نہ ہوگا، اس لئے تم سربلند ہو۔

تمہارا دوسرا قومی امتیاز یہ ہے کہ تمہاری قوم کے ایک فرد کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی اے بنو اسد کے لوگو! کیا یہ فخر کی بات تمہیں دوسروں سے ممتاز نہیں کرتی۔

تمہارے قومی افتخار کی تیسری بات یہ ہے کہ اسلام کا جھنڈا سب سے پہلے تمہاری قوم کے ہی ایک فرد نے اٹھایا اور وہی اسلام کے سب سے پہلے علمبردار ہوئے، تمہاری قومی برتری کا چوتھا راز یہ ہے کہ اسلام کو سب سے پہلے جو مال بطور غنیمت ملا وہ تمہارا ہی تھا۔

تمہاری قومی سرفرازی کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ تمہاری ہی قوم کے ایک فرد

کو بیعت رضوان میں اولیت حاصل ہوئی ان کا بیان شاہد ہے کہ سب سے پہلے وہ رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں، رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کس بات پر بیعت کرتے ہو، انہی فداکاری نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ، آپ کا دل جس بات کی بیعت لینا چاہتا ہے میں اس بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ میرا دل کس بات کی بیعت لینا چاہتا ہے، تو انہوں نے جواب دیا ہاں جانتا ہوں، فتح یا شہادت، اللہ کے رسول نے انکو شاباش کہا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انکو بیعت سے سرفراز کیا، ان کی بیعت سے قوت و ہمت پا کر دوسرے صحابہؓ نے بھی بیعت کی سعادت حاصل کی۔ تمہارا چھٹا قومی اعزاز یہ ہے کہ جنگ بدر میں شریک ہونے والے تمہاری قوم کے لوگوں کی تعداد مہاجرین کی تعداد کا ساتواں حصہ تھی۔

یہ باتیں سن کر عامری ششدر ہو گیا، قومی برتری کے اس کے بلند بانگ دعووں کا زور ٹوٹ گیا، پھر دوبارہ کوئی بات کہنے کا اسے یارا نہ رہا۔

شعبیؒ کا مقصد یہ تھا کہ زور آور کے مقابلہ میں کمزور کی مدد کی جائے۔ خدانخواستہ اگر عامری کمزور ہوتا تو وہ اس کے قومی مفاخر بیان کرتے اور ایسی خوبیوں کا ذکر کرتے جو اس کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہ آئی ہوتیں۔

جب عبد الملک بن مروان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عراق کے گورنر کو لکھا کہ مجھے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو دینی و دنیوی ہر دو معاملات میں مہارت و رسوخ کی وجہ سے لائق اعتماد ہو۔ پیچیدہ امور و مسائل میں جس کی رہنمائی معتبر ہو تاکہ خلافت و بادشاہت کے راز و نیاز کی پردہ داری کا اسے ذمہ دار بنایا جا سکے، حجاج کی نگاہ کسی لائق و فائق تر کی تلاش میں رہی لیکن شعبیؒ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا نہ ملا، چنانچہ انہیں کا انتخاب ہوا اور انہیں خلیفہ کے پاس بھیج دیا، خلیفہ تک پہنچتے ہی وہ

خاص و پہچان لیا اور انھیں اپنا معتمد خاص بنا لیا، مشکل معاملات و مسائل میں انھیں کے علم کا سہارا لیتا، پیچیدہ امور کی گرہ کشائی میں انھیں کے ناخن تدبیر سے مدد لیتا، انھیں کو دوسرے بادشاہوں کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجتا۔

ایک بار ان کو شاہ روم کے پاس بھیجا، جب بادشاہ کی ان سے گفتگو ہوئی تو وہ ان کی ذہانت سے مسحور اور ان کے تدبر اور تدبیر سے مبہوت ہو گیا، ان کی حاضر جوابی اور معلومات کی وسعت نے اسے اتنا مسرور کیا کہ انکو کئی دن تک اپنے پاس روکے رکھا، حالانکہ کسی سفیر کو وہ اپنے پاس کبھی نہیں روکتا ٹھہراتا تھا۔ جب واپسی کے لئے انھوں نے اصرار کیا تو رومی شہنشاہ نے ان سے پوچھا:

بادشاہ سے کیا آپ کا خاندانی تعلق ہے؟

شعبی نے کہا، "شاہی خاندان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔"

رومی شہنشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ شاہی خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تو اس نے انھیں دمشق واپس جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ جب آپ خلیفہ کے پاس پہنچیں تو تمام ضروری باتیں گوش گزار کرنے کے بعد میرا یہ رقعہ ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔

شعبی دمشق پہنچے تو سب سے پہلے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ جو کچھ دیکھا سنا تھا خلیفہ کو اس سے آگاہ کیا، ملاقات سے فارغ ہو کر جب چلنے لگے تو کہا

"امیر المومنین! رومی شہنشاہ نے آپ کے لئے یہ خط مجھے دیا تھا، خط پیش خدمت کر کے وہ دربار خاص سے باہر چلے گئے۔

عبد الملک نے خط پڑھا تو شعبی کو دوبارہ بلوایا اور کہا:

کیا تم نے یہ خط پڑھ لیا ہے!

شعبی نے کہا، "نہیں میں نے نہیں پڑھا ہے۔"

عبد الملک نے کہا، "خط میں لکھا ہے بادشاہ ہونے کے لائق تم ہو اور پھر اس حیرت کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے دوسرا شخص کیسے بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

شعبی نے کہا، "امیر المومنین! اس نے یہ رائے اس لئے قائم کر لی کہ آپ کو ابھی دیکھا نہیں ہے۔ اگر آپ کو دیکھا ہوتا تو ہرگز یہ رائے نہ قائم کرتا۔"

عبد الملک نے کہا، "تم نے اس تحریر کا کچھ مقصد بھی سمجھا؟"

شعبی نے کہا، "نہیں"

عبد الملک نے کہا، "میرے پاس تمہاری موجودگی نے اس کے دل میں حسد کی آگ لگا دی ہے اس لئے یہ بات لکھ کر اس نے مجھے تمہارے خلاف بھڑکایا ہے کہ میں تم کو اپنا حریف سمجھ کر تہ تیغ کر دوں۔"

رومی شہنشاہ کو اس گفتگو کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے کہا، "بخدا سچ ہے کہ یہی میرا مقصد وہ مدعا تھا۔"

شعبی کا علمی مرتبہ اتنا بلند ہوا کہ اس عہد کے تین نامور علما کے ہم پایہ قرار پائے چنانچہ ان کے بعد چوتھے نمبر پر آپ کا شمار ہونے لگا۔ امام زہری کہا کرتے تھے علماء چار ہیں:

مدینے میں سعید ابن مسیبؓ بصرہ میں حسن بصریؒ شام میں مکحول شامی اور کوفہ میں شعبی۔

اسکے باوجود شعبی کی خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کوئی انہیں عالم کہہ کر پکارتا تو ندامت سے سر جھکا لیتے۔ ایک بار ایک آدمی نے ان سے مسئلہ پوچھا تو یوں کہا، "اے عالم و فقیہ کوفہ! اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟"

شعبی نے اسے ٹوکا کہا کہ جو خوبی میرے اندر نہیں ہے اس پر میری تعریف

کیوں کرتے ہو، عالم کہے جانے کا مستحق تو وہ ہے جس میں خشیت الٰہی ہو اور فقیہ کہے جانے کا مستحق وہ ہے جو محرمات سے پرہیز کرے اور میں ان دونوں صفات سے عاری ہوں۔

ایک دوسرے آدمی نے مسئلہ پوچھا تو جواب دیا کہ اس مسئلہ میں عمر بن خطاب کی رائے یہ ہے اور علی بن ابی طالب کی رائے یہ ہے۔

پوچھنے والے نے کہا کہ میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ شعبی پانی پانی ہو گئے اور کہا، "عمرؓ و علیؓ کی رائے کے بعد میری رائے کی کیا حیثیت۔"

شعبی بڑے کریمانہ اخلاق کے حامل اور بلند طبیعت کے عالی ظرف انسان تھے۔ کسی سے الجھنا، بحث امور و معاملات میں حصہ لینا انھیں ناگوار ہوتا۔ ایک دن ایک دوست نے ان سے کہا، "علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں لوگوں کے اختلاف رائے پر تبصرہ کیجئے۔" شعبی نے کہا، مجھے کیا پڑی ہے کہ قیامت کے دن علیؓ اور عثمانؓ کا فریق بن کر اللہ کے روبرو پیش کیا جاؤں۔

شعبی کے عامانہ اطوار میں حلم و بردباری کا حسن و جمال تھا۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے آپ کی جانب ایک غلیظ گالی لڑھکائی۔ شعبی نے اس سے کہا اگر تم سچ کہتے ہو تو اللہ میری مغفرت فرمائے۔

علوم و معارف میں اتنی بلند پایہ گاہ کے باوجود کسی ادنیٰ آدمی سے علم حاصل کرنے میں انھیں کوئی عار محسوس نہ ہوتا۔

ان کے حلقہ درس میں ایک دیہاتی ہمیشہ شریک ہوا کرتا تھا لیکن کبھی اس نے اپنی زبان نہ کھولی۔ ایک دن شعبی نے اس سے کہا تم بھی کچھ بولا کرو۔ اس نے جواب دیا خاموش اس لئے رہتا ہوں کہ اس میں سلامتی بھی ہے اور دوسروں کی بات سن کر اپنے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کان کا فائدہ اپنی ذات کو ہی حاصل ہوتا ہے اور

زبان کا فائدہ اپنے بجائے دوسروں کو پہنچتا ہے۔

اس دیہاتی کی یہ بات شعبی زندگی بھر موقع بہ موقع دہراتے رہے۔

شعبی کی گفتگو میں اتنی بلاغت ہوتی کہ سننے والا دل دے بیٹھتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ عراق و خراسان کے گورنر عمر بن ہبیرہ فزاری نے چند لوگوں کو جیل میں ڈال دیا۔ شعبی نے ان کے لئے گورنر سے بات کی اور کہا اگر آپ نے ناحق انھیں قید میں ڈالا ہے تو حق انھیں رہائی دلوائے رہے گا اور اگر کسی جرم کی پاداش میں انکو قید کیا ہے تو عفو و درگزر ان کے جرم کو ڈھانپ لیگا۔ یہ بات گورنر کو اتنی پسند آئی کہ قیدیوں کو رہا کر دیا۔

فضل و کمال میں جامعیت کے باوجود شعبی خوش مزاج تھے۔ جب بھی موقع و محل کا تقاضہ ہوتا تو بڑے ظریفانہ لطیفے ان کی زبان سے نکلتے۔ ایک دن وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ بیٹھے تھے، کسی نے آکر پوچھا، "تم میں شعبی کون ہے؟"

انھوں نے اپنی بیوی کی جانب طنز آمیز اشارہ کیا۔

اس نے دوسرا سوال کیا، "ابلیس کی بیوی کا کیا نام تھا؟"

شعبی نے زیر لب مسکرا کر کہا، "ہم ابلیس کی شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔"

شعبی کا یہ بیان انکے اخلاق و اطوار کی اچھی عکاسی کرتا ہے۔ انھوں نے فرمایا، "کچھ اونچی نظروں سے لوگ دنیا کی جن چیزوں کو بار بار دیکھتے ہیں میں نے کبھی ان کی جانب نگاہ بھی نہیں اٹھائی۔ اپنے کسی غلام کو کبھی نہ تو سخت سست کہا، میرا جو رشتہ دار قرض چھوڑ کر مرا میں نے اس کا قرض ادا کر دیا۔"

شعبی ۸۰ سال تک دنیا میں رہے۔ جب ان کی وفات کی خبر حسن بصری کو پہنچی تو انھوں نے کہا، "شعبی پر خدا اپنی رحمتیں نچھاور کرے کہ وہ بڑے ذی علم اور بڑے بردبار انسان تھے۔ اسلام میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔"

مولانا ابوبکر اصلاحیؒ

عبدالباری فلاحی

نام و سلسلہ نسب ابوبکر بن ذاکر علی بن وزیر علی بن جعفر علی۔ آپ خان کوٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بہت پہلے آپ کے آباء و اجداد یاکرپور [illegible] سے بیناپارہ آکر آباد ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام کلثوم تھا۔

ولادت آپ ۳؍جولائی ۱۹۲۲ء کو اپنے وطن بیناپارہ ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کل تین بھائی تھے اور ایک بہن تھیں۔ حافظ محمد مرتضیٰ صاحب اصلاحی آپ سے بڑے تھے جو اس وقت اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ آپ منجھلے تھے اور جناب ابو سفیان صاحب آپ کے چھوٹے بھائی ہیں جو الحمد للہ ابھی باحیات ہیں اور سرائے میر میں دوکان کرتے ہیں۔ آپکی بہن کا نام ناصرہ خاتم تھا جو حسنولی بیاہی تھیں۔

تعلیم ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی جو اس وقت مکتب اسلامیہ کے نام سے جانا جاتا تھا مولوی مصطفےٰ صاحب آپ کی ابتدائی تعلیم کے خاص استاد تھے۔ اس کے بعد ۳؍جولائی ۱۹۳۲ء کو مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں درجہ سوم مکتب میں داخلہ لیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب پرائمری کے درجات سوم و چہارم میں وہاں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ سال بھر بمشکل جاری رہ سکا کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۸؍اگست ۱۹۳۳ء کو انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ حادثہ آپ کیلئے بڑا روح فرسا ثابت ہوا [illegible] متاثر ہوئے کہ مدرسۃ الاصلاح کو خیر باد کہہ دیا اور بیناپارہ سے [illegible] تھیریٹی کے [illegible] میں داخلہ لیا جہاں عربی کی ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور مولانا قمر الدین صاحب [illegible] معلم تھے۔ آپ کے مدرسۃ الاصلاح چھوڑنے کا علم جب آپ کے بڑے بھائی [illegible] مرتضیٰ صاحب اصلاحی مرحوم کو ہوا تو انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ وہ [illegible]

تھے اور وہی تنہا آپ کی سرپرستی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے باصرار دوبارہ آپ کا داخلہ ۱۹۳۵ء میں مدرسۃ الاصلاح میں کرایا۔ اس بار آپ کا داخلہ عربی اول میں ہوا۔ یہیں آپ نے فضیلت تک تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۴۲ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد بھی دو سال تک تکمیل میں رہتے کچھ گھنٹے پڑھاتے اور بقیہ اوقات میں تحقیق و مطالعہ میں مشغول رہتے۔ گویا ۱۹۴۴ء تک استاذ معید (معاون استاد) کی حیثیت سے مادر علمی میں ہی خدمت انجام دیتے رہے۔

اساتذہ کرام مدرسۃ الاصلاح میں آپ نے جن نابغہ روزگار اور ماہرین فن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں سے اہم اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد شبلی صاحب متکلم ندوی
۲۔ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی
۳۔ مولانا سعید احمد صاحب ندوی۔
۴۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی
۵۔ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی
۶۔ مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی
۷۔ مولانا حافظ عبدالاحد صاحب اصلاحی
۸۔ مولانا نبی احمد صاحب اصلاحی
۹۔ مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی
۱۰۔ مولانا اظہار الدین صاحب اصلاحی

آپکے کلاس فیلو شروع میں تو زیادہ تھے البتہ آخری درجات میں کم ہو گئے تھے حتی کہ جس سال آپ فارغ ہوئے اس سال صرف چار بچے تھے۔ جناب بدیع الزماں صاحب (نیاوج) اور جناب نجیب اللہ صاحب موضع دھراؤں ضلع بنارس مقامی پرائمری اسکول میں ٹیچر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہی چند سال ہوئے انتقال فرما گئے۔ مولانا ابوالحسن فراہی عرف علی میاں (مولانا فراہی کے پوتے) بھی آپ کے کلاس فیلو تھے لیکن فراغت سے ایک سال پہلے ہی انہوں نے تعلیم ترک کر دی تھی۔ آپ کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ زمانہ طالب علمی میں بھی آپ بڑی محنت کرتے تھے اور بعد میں بھی وہی حال رہا۔ اساتذہ کے چہیتے شاگردوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

دوران طالب علمی میں ہی آپ ایک شدید آزمائش سے بھی دوچار ہوئے۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۳۹ء کو آپکے والد محترم طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور دو روز بعد ہی ۱۲ر جنوری ۱۹۳۹ء کو اچانک انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پورے خاندان کیلئے اور خود آپکے لئے یہ بڑا ہی شدید حادثہ تھا اس کے باوجود آپ نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ہر طرح کے مسائل کا سامنا کرتے ہوئے تعلیم مکمل کی۔

جب آخری کلاس ہشتم عربی میں پہنچے اور فراغت کے دن قریب آئے تو آپ کو خیال ہوا کہ فارغ ہو کر طبیہ کالج علیگڑھ میں داخلہ لے کر طب کی تعلیم حاصل کی جائے۔ چنانچہ اپنے بڑے بھائی کو خط لکھا جو ان دنوں برما میں تھے۔ چونکہ وہ سرپرست تھے اس لئے ان سے اجازت لینی ضروری تھی۔ جواباً آپ کے بڑے بھائی مرحوم نے لکھا: "دین کی تعلیم معاش کی میدان میں بننے کے لئے نہیں دلائی ہے بلکہ دین کی خدمت کے لئے دلائی ہے اسلئے ہر طرف سے نظر ہٹا کر دین کی خدمت کے لئے یکسو ہو جاؤ روزی اللہ دے گا۔"

چنانچہ اسکے بعد آپ نے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا اور اسکے لئے یکسو ہوئے کہ پھر بھول کر بھی کبھی کسی اور طرف رخ نہیں کیا۔

شادی دوران طالب علمی میں ہی آپکی شادی ہو گئی تھی۔ منگراواں ضلع اعظم گڑھ آپ کا سسرال ہے۔ زوجہ محترمہ کا نام نجمہ خاتون تھا۔ ۷ار نومبر ۱۹۷۳ء میں وہ اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ انتہائی پاک طینت اور صالح طبیعت تھیں۔

تحریک اسلامی سے وابستگی ترجمان القرآن جو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ادارت میں نکل رہا تھا وہ مدرسۃ الاصلاح میں بھی آتا تھا اور اساتذہ اور طلبہ بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ مولانا مودودی نے جب متحدہ قومیت کے خلاف آواز اٹھائی اور اقامت دین کی خاطر ایک جماعت کی تشکیل کے لئے ذہنوں کو ہموار کرنے کی

ضرورت محسوس کی تو ایک سلسلہ مضامین شروع کیا۔ مولانا کا بیان ہے کہ میں برابر ان مقالات و مضامین کا مطالعہ کرتا رہتا تھا اور دل و دماغ پر اس کا کافی اثر پڑا۔ اگست ۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور مولانا مودودی نے امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ملک کا دورہ شروع کیا تو مدرسۃ الاصلاح بھی تشریف لائے۔ ان سے مل کر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ مولانا کی مجلسوں میں بھی برابر شریک رہا۔ علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی پر مشتمل مجلسیں ہوتیں، تحریک، دعوت اور حکومت الٰہیہ اور اقامت دین سے متعلق مختلف قسم کے سوالات ہوتے اور مولانا مودودی بڑی ہی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مسکراتے ہوئے جوابات دیتے۔ انہیں مجلسوں کی یادداشتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں :

"ہمارے استاد اور مدرسۃ الاصلاح کے شیخ الحدیث مولانا سعید احمد صاحب ندوی مرحوم کا ایک سوال اور مولانا مودودی کا ایک جواب اب تک ذہن میں محفوظ ہے۔ شیخ الحدیث صاحب نے مولانا مودودی صاحب سے سوال فرمایا: "مولانا! آپ جو حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت لے کر اٹھے ہیں یہ دعوت تو بالکل صحیح ہے اور اس میں ردو قدح کی کیا گنجائش ہے لیکن کیا اس کے قیام کا امکان ہے؟" مولانا مودودی نے جواب فرمایا کہ بعض اور جلسوں پر بھی مجھ سے یہی سوال کیا گیا اور میں نے جواب بڑے زوردار انداز میں کہا کہ "صدفی صد" امکان ہے لیکن آپ سے مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر ایک فیصد بھی امکان نہ ہو تو کیا ہمارے لئے کوئی اور راہ بھی ہے؟"

اس جواب کو پا کر شیخ الحدیث صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔ (رفیق منزل نئی دہلی مئی ۱۹۸۸ء ص ۷ا انٹرویو مولانا ابو بکر اصلاحی ملاقاتی ضیاء الدین ملک)

بہر حال ان نشستوں میں شرکت اور استفادے سے بھی آپ کے تاثر میں مزید اضافہ ہوا لیکن اس وقت آپ باضابطہ تحریک میں شامل نہیں ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں تو تقی مدنی میاں مرحوم نے جو مدرسہ رحمانیہ قائم کیا تھا ضلع بستی
کیلئے مدرسۃ الاصلاح کے ذمہ داران سے ایک استاد کا مطالبہ کیا جو تعلیم و تدریس کے ساتھ
نظامت کے فرائض بھی انجام دے سکے۔ قرعہ فال آپ کے نام پڑا اور ذمہ داران نے
آپ کو وہاں بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر جب آپ نے کام سنبھالا تو ساتھ ہی تحریک کا کام بھی
شروع کر دیا ہو گا لیکن اسلامی تحریک اور ذمہ داری
تو تھی ہی، لہٰذا اس تحریک کا کام شروع کر دیا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے
مولانا خود تحریر فرماتے ہیں

"جب انگریزوں نے ملک چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کیا اور اقتدار کی منتقلی
کا مرحلہ سامنے آیا تو میدان میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک کانگریس تھی جس کا دعویٰ تھا
کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی نمائندہ جماعت ہے (عملاً ہندوؤں کی ہی تھی)
اس لئے پورے ملک کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں آنی چاہیے۔ دوسری طرف مسلم
لیگ تھی جس کا دعویٰ تھا کہ کانگریس تو صرف ہندوؤں کی نمائندہ ہے، مسلمانوں کی
نمائندہ میں ہوں اور میرا مطالبہ ہے کہ ملک تقسیم کر کے پاکستان بنایا جائے اور اس کی
باگ ڈور مسلم لیگ کے حوالے کی جائے اور باقی حصے کا اقتدار کانگریس کے
سپرد کیا جائے۔ چنانچہ اس نمائندگی کے فیصلے کیلئے جس تاریخی الیکشن کا دور شروع
۱۹۴۶ء میں ہوا، میں ضلع بستی ہی میں تھا۔ جب بستی کے لئے روانہ ہو رہا تھا تو جس
وقت میں نے اپنے استاد مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی مرحوم سے کہا کہ راستے میں
پڑھنے کے لئے کوئی کتاب دیں تو مولانا مرحوم نے جماعت اسلامی کا دستور
دیا اور میں نے اسے بکس میں رکھ لیا۔ مدرسۃ الاصلاح میں حیثیت طالب علم تھی، یہاں
رحمانیہ میں حیثیت ذمہ دار کی ہو گئی۔ مسلم لیگ و کانگریس کے تاریخی الیکشن کا جب
شور برپا ہوا تو اس دیار کے لوگ یہ جانتے تھے کہ جب مدرسہ رحمانیہ پہنچ کر وہاں کے استاذ

اعظم گڑھ سے آتے ہیں ان سے دریافت کیا جائے اور مشورہ لیا جائے کہ ووٹ کس کو
دیا جائے، کانگریس کو یا مسلم لیگ کو۔ وہ لوگ تو تھے اور دو دو چار چار کر کے آتے رہے
اور مجھ سے سوال کرتے رہے۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میری حیثیت ذمہ دار کی ہو گئی
ہے میرے اساتذہ نہیں رہے جن کی طرف رجوع کر کے میں مشورہ لوں اور اطمینان
قلب حاصل کر کے ہی لوگوں کو بتاؤں کہ کسے ووٹ دیں اور اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کے
تئیں فکر و طبیعت اس پر آمادہ نہیں تھی کہ بغیر اطمینان قلب حاصل کئے اندھا دھند خیال
کروں۔ اب یہی صورت تھی کہ براہ راست معلومات حاصل کروں۔ اسی دوران ذہن
میں یہ خیال آیا کہ جماعت اسلامی بھی تو ایک جماعت ہے۔ اس کے بارے میں بھی
معلومات حاصل کرنی چاہئے۔ معاً خیال آیا کہ اس کا دستور تو بکس میں موجود ہے، بس
پھر کیا تھا فوراً نکالا اور پڑھ ڈالا۔ وہی دستور جو اس سے پہلے متعدد بار پڑھ چکا تھا اس وقت
پڑھنے کے بعد حالت ہی کچھ اور تھی۔ دل نے کہا جماعت تو یہ جماعت ہے اور ایسی
جماعت کے ہوتے ہوئے اپنے لئے اس سے الگ رہنے کیلئے وجہ جواز کیا ہے؟ طلب اور
تڑپ پیدا ہوئی۔ پٹھان کوٹ سے لٹریچر کا پارسل منگوایا اور سب پڑھ ڈالا۔ اطمینان قلب
حاصل ہوتا چلا گیا۔ اب سامنے یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ
پوچھے گا کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کے لئے ایک صالح جماعت موجود تھی اور تم
اس سے الگ کیوں رہے تو ہمارا عذر کیا ہوگا؟ بالآخر یہ طے کر لیا کہ اسی جماعت میں داخل
ہو کر اقامت دین کی جدوجہد میں مشغول ہو جائے۔ اس کے سوا کل قیامت کے دن اللہ
تعالیٰ کی گرفت سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔" (حیات نو، بطریق اگست
ستمبر ۱۹۸۹ء ج ۳ ش ۸۔۹ از میرے حبیب ابوبکر اصلاحی)

آگے کا قصہ مولانا یوں بیان فرماتے ہیں

"اس وقت اس دیار میں کوئی رکن موجود نہیں تھا۔ جمعہ کو بعد نماز جمعہ ابتدائی

دستور میں لکھے ہوئے قاعدے کے مطابق کلمہ پڑھا اور اپنے خیال کے مطابق جماعت میں داخل ہو گیا اور مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کو اس کی اطلاع کر دی اور اپنے طور پر خود کو جماعت کا کارکن سمجھتے ہوئے تحریک ودعوت کا کام کرنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا مودودی کا گرامی نامہ ملا کہ بعض وجوہ کی بنا پر آپ کی درخواست رکنیت پر غور و فیصلہ نہیں ہو سکا اب غور کرنا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا آپ اپنے فیصلے پر برقرار ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟" اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کر لیا ہے۔ میں اپنے آپ کو جماعت کا کارکن سمجھتے ہوئے کام کر رہا ہوں باقی آپ کو جو کچھ کرنا ہے اسے چاہے آج کریں یا مہینوں اور سالوں کے بعد۔"

"پھر مولانا کے یہاں سے کچھ قلمی سوال آئے جو تقریباً وہی تھے جو مطبوعہ فارم رکنیت میں ہیں۔ میں نے اسے پر کر کے روانہ کر دیا۔ چند دنوں کے بعد مولانا مودودی کا خط ملا، جس میں درخواست رکنیت کی منظوری اور مبارکبادی تھی۔ یہ اطلاع پا کر بڑی مسرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کچھ دنوں بعد مطبوعہ فارم رکنیت موصول ہوا اور یہ ہدایت ہوئی کہ ریکارڈ کیلئے اس کی خانہ پری کر کے بھیج دیں۔ چنانچہ میں نے حسب ہدایت بھیج دیا گویا فارم رکنیت میری درخواست کی منظوری کے بعد طبع ہوا۔" (رفیق منزل مئی ۱۹۸۹ء ص ۱۸ انٹرویو مولانا ابو بکر اصلاحی ملاقاتی ضیاء الدین ملک)

تقسیم سے قبل اپریل ۱۹۴۷ء میں جماعت اسلامی کا کل ہند اجتماع الہ آباد میں ہوا تھا اس میں آپ بحیثیت رکن شریک تھے۔

تحریکی سفر: ۱۹۴۳ء میں جب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہنگامی حالات پیدا ہوئے، کئی مشفق اور سینئر اساتذہ کرام بیک وقت علیحدہ کر دئے گئے، خود مہتمم مدرسہ مولانا محمد شبلی متکلم نے احتجاجاً استعفاء دے دیا تو مدرسہ کے ناظم مولانا بدر الدین صاحب اصلاحی نے مولانا مودودی سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کے لئے افراد فراہم کریں۔ چنانچہ

باہمی بات چیت اور رضامندی سے مولانا مودودی نے مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی کو آکولہ سے، مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کو پٹھان کوٹ سے، مولانا جلیل احسن صاحب کو بریلی سے اور مولانا ابو بکر صاحب اصلاحی کو بستی سے مدرسۃ الاصلاح بھیجا۔ ان لوگوں نے آکر مدرسہ کو سنبھالا۔ اس طرح مولانا ابو بکر صاحب اصلاحی پھر مدرسۃ الاصلاح میں بحیثیت استاذ آگئے۔ یکم ستمبر ۱۹۴۳ء کو آپ نے مدرسہ جوائن کیا تھا۔ جس وقت آپ لوگ مدرسہ تشریف لائے اس سے پہلے صرف مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی تنہا رکن جماعت تھے۔ آپ لوگوں کے آجانے کے بعد رکنی کا اضافہ ہو گیا اور مقامی جماعت تشکیل پا گئی۔ مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی ندوی مقامی امیر بنائے گئے۔ یہ ضلع اعظم گڑھ میں پہلی مقامی جماعت تھی جو قائم ہوئی اور پھر تحریک و دعوت وسعت اختیار کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ملک کی تقسیم کے بعد کام کا نیا نقشہ بنا۔ مختلف ذمہ داریاں مختلف افراد کے سپرد کی گئیں۔ چند سالوں بعد مدرسۃ الاصلاح کی صدارت کے ساتھ ساتھ کام کی توسیع کے پیش نظر آپ کو اعزازی ناظم ضلع بنا دیا گیا اور مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی آپ کے معاون بنائے گئے۔ پھر رفقاء جماعت اعظم گڑھ کا اصرار ہوا کہ آپ مدرسۃ الاصلاح چھوڑ دیں اور جماعت کیلئے فارغ ہو جائیں، حالانکہ آپ اس وقت مدرسۃ الاصلاح کے صدر مدرس تھے چنانچہ امیر جماعت نے ثانوی درس گاہ سے مولانا عبد الودود ندوی مرحوم کو مدرسۃ الاصلاح بھیجا اور آپ کو مدرسہ سے حاصل کر لیا اور اضلاع مشرقی یوپی کا ناظم بنا دیا۔ ۳ نومبر ۱۹۵۱ء کو آپ نے نظامت کا چارج لیا۔ واضح رہے کہ یہ سب کچھ ذمہ داران مدرسہ کی رضامندی سے ہوا تھا اور اس کے بعد سرائے میر میں علاقے کی آفس قائم کر دی گئی تھی۔

غالباً ۱۹۵۵ء میں یو۔پی۔ کو ایک حلقہ بنا دیا گیا اور سید حامد حسین صاحب مرحوم امیر حلقہ نے تو یو۔پی۔ کو مختلف ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ڈویژن کا ناظم

مقرر کیا گیا۔ اس ڈویژن میں مرزاپور، بنارس، غازی پور اور اعظم گڑھ وغیرہ اضلاع شامل تھے۔ کافی دنوں تک آپ یہ ذمہ داری نبھاتے رہے اور مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس علاقے میں تحریک اسلامی کو پھیلانے اور اس کی بنیادیں مستحکم کرنے میں مولانا کا بنیادی اور کلیدی رول رہا ہے۔

۱۹۶۹ء میں جب جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کے ناظم بنائے گئے تو نظامت علاقہ الہ آباد کو امیر جماعت کی منظوری سے چھوڑ دیا اور پورے طور پر جامعہ کیلئے یکسو ہو گئے۔ اس کے بعد کوئی جماعتی ذمہ داری تو نہیں آئی البتہ تاحیات رکن رہے اور حتی المقدور خدمت دین کی راہ میں جان کھپاتے رہے۔ چنانچہ آپکی پیرانہ سالی میں بھی قربانیوں اور کوششوں کو دیکھ کر میرے ایک ساتھی نے ایک مرتبہ مولانا سے سوال کیا: "آپ کی عمر کافی ہو چکی ہے لیکن آپ اب بھی خدمت کر رہے ہیں آپ آرام کیوں نہیں کرتے؟" تو آپ نے جواب دیا: "دین کی خدمت کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے کہ اسکے بعد آدمی خدمت دین سے دستبردار ہو جائے۔ یہ کام تو آخری سانس تک جاری رکھنا ہے اور کامیاب وہی ہے جو آخری تک اسے نبھاتا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، "فلا تموتن الا وانتم مسلمون" اور رہی آرام کی بات تو اس دنیا میں آرام کہاں؟ آرام کا مقام تو جنت ہے۔" (رفیق منزل مئی ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۰ از انٹرویو مولانا ابوبکر اصلاحی ملاقاتی ضیاء الدین ملک)

تحریکی وعلمی سرگرمیاں تدریس آپ کا مشغلہ تھا لیکن اس سے جتنا وقت بچتا سب تحریکی سرگرمیوں میں لگاتے۔ تعطیلات میں مختلف مقامات کے دورے کرتے اور جہاں موقع ملتا تحریک کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے بہتوں کی زندگی میں انقلاب آیا، بعض تو انتہائی قیمتی سرمایہ بن کر سامنے آئے اور تحریک کو چار چاند لگایا۔ مولانا ملک حبیب اللہ صاحب قاسمی مرحوم جو مختلف حلقوں

کے امیر رہے ہیں اور جن سے دراصل قرآنی سے وابستہ ہوئے تھے وہ آپ ہی کی کوششوں سے جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب کی شمولیت کی ایک تاریخی واقعہ اور سبق آموز قصہ ہے اسلئے اس کا تذکرہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا ابوبکر صاحب مرحوم نے تو مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم کی وفات کے بعد "میرے حبیب" کے نام سے ایک مضمون حیات نو میں لکھا تھا اس میں اسکی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں تحریک دعوت کی اشاعت کیلئے تقریروں میں خصوصیت سے کام کرتا تھا اسکے لئے خود بھی کرتا تھا یا کسی ایک اور شخص بستی کا ہوا گھر عیدی تعطیل میں جب لوگ مدرسۃ الاصلاح سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونے تو میں شیخ بستی کے سفر پر روانہ ہوا۔ مولوی شکیل احمد صاحب اصلاحی (جو مولانا کے شاگرد رہے ہیں) نے بقر عید کے دن دوم یا تیج کی عیدگاہ میں نماز سے قبل میری تقریر کا پروگرام رکھا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب بھی اسی عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے۔ تقریر شروع ہوئی میں نے جماعت اسلامی کی دعوت پیش کی تو متعدد دیہاتی حضرات ہمیں گھیر کر مولانا کے پاس لے گئے اور کہا کہ جوابی اور تردیدی تقریر کیجئے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا وہ جو پیش کیا جا رہا ہے درست ہے اس لئے اس کی تردید کا کیا سوال؟ (یہ بات مولانا نے رکن ہونے کے بعد بتلائی) بہرحال میری تقریر ختم ہوئی نماز ہوئی اور عیدگاہ سے باہر نکلے تو مولانا نے سلام کیا اور لپک کر مصافحہ کیا، مصافحہ کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تقریر تو بستی کی مسجدوں پر ہونی چاہئے۔ میں نے کہا "یہاں موقع مل جاتا تو کی اور جہاں جہاں موقع ملے کافی ہو سکتی۔" مولانا نے فرمایا "آج شام میں ہمارے یہاں چلئے اور مولوی شکیل احمد صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ شام کو ساتھ لے کر آیئے گا۔ شام کو مسجد جمال پور (مولانا حبیب اللہ صاحب کا گاؤں) پہنچے بعد نماز مغرب تقریر ہوئی، لوگ کافی

اکٹھا ہوگئے تھے عشاء تک جاری رہ کر تقریر ختم ہوئی، بعد نماز عشاء دسترخوان پر بیٹھے، دوران طعام مولانا مرحوم نے فرمایا: "چند سوالات پیدا ہوئے ہیں انکی وضاحت کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا فرمایئے، مولانا نے فرمایا (۱) جماعت اسلامی کے لوگ مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتے (۲) اپنی جماعت کا نام جماعت اسلامی کیوں رکھا؟ (۳) حکومت میں شریک ہوکر اور پارلیمنٹ میں داخل ہوکر دین کی خدمت اچھے طور پر کی جاسکتی ہے آپ لوگ اس سے الگ کیوں ہیں؟ میں نے کہا (۱) اگر مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھتے تو ان کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے اور ان میں شادی بیاہ کیوں کرتے؟! ہمارے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ ہم مسلمان کو مسلمان سمجھتے ہیں، دراصل یہ بات قصد وارادے سے پھیلائی جاتی ہے وہ یوں کہ جماعت اسلامی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے اندر موجودہ حالت سے بے اطمینانی پیدا کی جائے اور مومن صالح بننے کی تشویق و تحریک پیدا کی جائے چنانچہ اس نے منفی ومثبت طور پر دوٹوک انداز میں اپنے لٹریچر میں واضح کیا ہے کہ مسلمان کے اندر کیا خوبیاں ہونی چاہئیں اور کن خرابیوں سے اسے پاک وصاف ہونا چاہئے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اسلام کا نمائندہ بن سکے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخروئی حاصل کرسکے اس لٹریچر کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان اسے پڑھ کر متاثر ہوتے ہیں اور ان کے اندر انقلاب عظیم پیدا ہوجاتا ہے اور وہ تحریک اقامت دین کے سپاہی بن جاتے ہیں جو بڑی خوش آئند بات ہے، لیکن مخالفین کو یہ تبدیلی پسند نہیں آتی، مخالفت کی وجہ سے وہ خود یہ مقدمہ ترتیب دیتے ہیں کہ انکی کتابوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان ایسا اور ایسا ہونا چاہئے اور چونکہ مسلمان ایسا نہیں ہے اس لئے انکے نزدیک مسلمان مسلمان نہیں ہے اور پھر وہ اپنے خود ساختہ نتیجے کا پروپگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔

(۲) دوسرا مسئلہ نام کا ہے جب جماعت اسلامی اسلام ہی کا کام کررہی ہے اور

اسلام کے غلبے کے سوا اسکا کوئی اور مقصد نہیں ہے تو جماعت اسلامی سے زیادہ موزوں اس کا اور کیا نام ہوسکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو جماعت اسلامی میں ہے وہی مسلمان ہے اور جو جماعت اسلامی میں نہیں وہ مسلمان نہیں جیسے جمیعۃ العلماء ایک جماعت ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جمیعۃ العلماء میں جو بھی ہے وہ عالم ہے اور اس سے باہر جو بھی ہے وہ عالم نہیں۔ حالانکہ جمیعۃ العلماء کے باہر بہت سے علماء کرام موجود ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ جماعت اسلامی حکومت سے الگ تھلگ کیوں ہے حالانکہ حکومت میں شریک ہوکر اسلام کی خدمت زیادہ اچھے طور پر کی جاسکتی ہے (ان دنوں مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی صاحب مرحوم پارلیمنٹ کے ممبر تھے) تو حقیقت تو یہ ہے کہ نجاست کے ذریعہ طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ غیر اسلام کے ذریعہ اسلام کی خدمت ہی کی جاسکتی ہے ایک ایسی حکومت جس کی بنیاد انسانی حاکمیت اور انسانی قانون سازی پر ہو اس کی پارلیمنٹ میں ایک مسلمان کیسے ممبری قبول کرسکتا ہے جس کا عقیدہ خدا کی حاکمیت اور خدائی قانون پر ہے پارلیمنٹ میں پہنچ کر حلف وفاداری اٹھاتے وقت یا تو اس کو اطمینان اسلام پر ہوگا، ایسی صورت میں وہ حکومت کے ساتھ خیانت کررہا ہوگا یا پھر جمہوری حکومت کا وفادار ہوگا تو وہ اسلام کا خائن کہلایا جائیگا۔ بیک وقت دونوں کی وفاداری اجتماع ضدین ہے جو ناممکن ہے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: "بات بالکل واضح ہوگئی"۔ دوسرے روز جب میں واپس ہوا تو مولانا نے فرمایا: "مجھے کتابوں کے مطالعہ کی فہرست بتا دیجئے"۔ مولوی وکیل صاحب اصلاحی ساتھ تھے، میں نے کہا کہ کتابیں یہ پہنچا دیا کریں گے آپ بغور مطالعہ فرماتے رہیں چنانچہ مطالعہ کا سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد گورکھپور میں ہونے والے اجتماع میں جس میں مولانا زکریا قدوسی مرحوم نے خطاب عام میں تقریر فرمائی تھی، مولانا سے ملاقات ہوئی، مولانا نے اظہار اطمینان فرمایا، پورا لٹریچر مطالعہ فرما چکے تھے۔ اب کسی طرح کا شک وشبہ باقی

نہیں رہ گیا تھا۔ مولانا نے فرمایا ہر طرح سے مطمئن ہوں۔ اب صرف مرکزی ذمہ داروں سے ملاقات پیش نظر ہے جنکی رہنمائی میں کام کرنا ہے تاکہ ان پر بھی اطمینان حاصل کرلیں۔ چنانچہ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں ہونے والے کل ہند اجتماع رامپور میں شرکت فرمائی۔ مرکزی ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی ہر طرح سے دل کو اطمینان حاصل ہوا۔ اجتماع رامپور سے واپسی پر درخواست رکنیت دی اور منظور ہوئی اور اس کے بعد حلقہ مشرقی یو۔پی۔ کے قیم بنادئے گئے۔" (حیات نو مبارکپور اگست ستمبر ۱۹۸۹ء ص ۹-۱۲ ج ۲۳ ش ۸-۹ از میرے حبیب مولانا ابوبکر اصلاحی)

سرائے میر میں آپ نے کرایہ کا جو مکان لے کر آفس قائم کیا تھا قیم بننے کے بعد مولانا ملک حبیب اللہ صاحب مرحوم بھی وہیں آگئے تھے۔ گویا دونوں ایک ہی ساتھ رہتے تھے۔ دورے وغیرہ بھی ساتھ ہی کرتے تھے۔ تمام ہی معاملات میں ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوگئے تھے۔ کافی دنوں تک یہ رفاقت رہی۔

سرائے میر کے زمانہ قیام میں آپ نے آفس پر لاؤڈ اسپیکر لگوالیا تھا جس پر روزانہ عصر بعد درس و اقتباسات وغیرہ پڑھ کر سنانے کا پروگرام چلاتے تاکہ آنے جانے والے مستفید ہوں۔ درس کبھی آپ دیتے کبھی مولانا دیتے۔ اسی طرح اقتباس بھی مختلف حضرات پڑھا کرتے تھے۔

آپ کام انتہائی منصوبہ بند طریقے سے کرنے کے عادی تھے۔ اس سلسلے کی بہت سی چیزیں آپ کی ذاتی ڈائری میں بطور یادداشت محفوظ ہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے ضلع اعظم گڑھ اور یو۔پی۔ کی مجموعی معلومات قلمبند کرلی تھیں جس میں جغرافیائی، تعلیمی، سیاسی اور معاشی غرض تمام پہلوؤں سے مکمل معلومات یکجا ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کی مختلف رپورٹیں بھی موجود ہیں۔

تحریر کے ذریعہ بھی آپ نے تحریک کی اچھی خدمت کی ہے، جس کا سرسری

اندازہ مختلف رسالوں میں آپ کے شائع شدہ مضامین کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان مضامین میں جہاں آپ نے دعوت کے خدوخال کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے وہیں اس زمانے میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: "کیا حضرت سید احمد شہید جمہوری اور دینی نظام کے داعی تھے؟" "ہندوستان میں غلبہ اسلام کی راہیں" "حکومت الٰہیہ اور مولانا آزاد" "دعوت اسلامی اور نئی زندگی" "دعوت اسلامی کے لئے انبیائی طریقہ کار" "بندگی، نابندگی، پابندی" وغیرہ عناوین پر لکھے گئے مقالات (حوالہ جات کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی)۔

ملت کی دوسری سرگرمیوں میں بھی آپ بھرپور حصہ لیتے تھے۔ آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاسیسی ممبر تھے، ابتداء جب قویٰ مضبوط تھے تو کافی دوڑ بھاگ کی بعد کے ادوار میں بھی برابر احوال سے واقفیت اور مشوروں کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ کی انہیں کوششوں کی وجہ سے دوسرے حلقے کے لوگ بھی آپ سے کافی متعارف اور متاثر تھے۔

تدریس و تعلیم و تربیت: آپ کا اصل مشغلہ تدریس و تعلیم و تربیت ہی تھا، چنانچہ زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گزرا۔ فراغت کے فوراً بعد مادر علمی ہی میں معاون مدرس کی حیثیت سے دو سال رہے، پھر ۱۹۳۳ء میں جامعہ رحمانیہ قادر آباد ضلع بستی میں تدریسی خدمت کیلئے ہی بلائے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں وہاں سے دوبارہ مدرسۃ الاصلاح بحیثیت استاذ ہی تشریف لائے، تدریس کے ساتھ ساتھ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی کے صدارت سے مستعفی ہو جانے کے بعد آپ مدرسۃ الاصلاح کے صدر مدرس بھی بنائے گئے۔ طلباء کے نگراں بھی رہے۔ ۱۹۷۲ء میں جامعۃ الفلاح سے علیحدگی کے بعد جناب ابو سلیم عبد الحئی صاحب نے آپ کو بچیوں کی مشہور درسگاہ جامعۃ الصالحات رامپور بلا لیا تھا اور تدریسی خدمت ہی آپ کے سپرد کی تھی۔ ۱۹۷۷ء مولانا عیسیٰ صاحب قاسمی جو اس وقت ناظم جامعہ تھے، انہوں نے دوبارہ بحیثیت استاذ

جامعۃ الفلاح بلا لیا تھا۔ اس وقت سے مختلف اوقات میں صدارت اور نیابت نظامت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ برابر تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ تا آنکہ پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ نے مزید خدمت سے معذرت کر لی اور آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بدل ناخواستہ آپ کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ سرائے میر میں قائم مدرسہ نسواں جامعۃ الصالحات کے ذمہ داران نے آپ کو مجبور کیا چنانچہ آپ ہفتے میں دو دن وہاں بھی تشریف لے جاتے اور اعلیٰ درجات کی طالبات کو پڑھاتے۔ معلمات بھی اس دوران آپ سے استفادہ کرتی تھیں حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی مشکل مقامات کے سلسلے میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ مرض الموت سے پہلے تک جاری رہا۔

آپ نے مختلف اوقات میں تفسیر، اسرار شریعت، فقہ، فرائض اور نحو و صرف وغیرہ کا درس دیا ہے، لیکن فقہ و فرائض میں آپ ماہر سمجھے جاتے تھے اور تمام اساتذۂ کرام کے مصدر و مرجع بنے رہے۔ جو بھی درس دینا ہوتا بڑی محنت سے اس کی تیاری فرماتے اور خوبصورت انداز میں تفہیم کراتے تھے۔ جتنے بھی سوالات اٹھتے سب کا جواب دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے اور ہر لحظہ طالب علم کی سطح کا خیال رکھتے تھے۔

نئے اسلامی نظام تعلیم کی ضرورت بھی آپ شدت سے محسوس کرتے تھے۔ برابر اس موضوع پر سوچا کرتے تھے اور حتی المقدور رنگ بھرنے کے لئے بھی کوشاں رہتے تھے۔ آپ کن کن پہلوؤں سے اور کس قدر وسعت نظری کے ساتھ سوچتے تھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ آپ کی ذاتی ڈائری کی بعض یادداشتوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ آپ نے نوٹ کر رکھا ہے:

۱۔ "مسلمانوں کا نظام تعلیم کیا ہو؟"

۲۔ "موجودہ لادینی نظام تعلیم کے فائدے اور نقصانات"

۳۔ "مروجہ مذہبی نظام تعلیم کے فائدے اور نقصانات"

۴۔ "صحیح اسلامی نظام تعلیم کا تحقیقی تعارف"

ایک دوسرے مقام پر آپ نے لکھ رکھا ہے:

"تعلیمی مسائل پر عناوین"

۱۔ تعلیمی تصورات کا تاریخی پس منظر

۲۔ تعلیمی مسائل کا علمی تجزیہ

۳۔ تعلیمی تصورات کے عملی نتائج زندگی پر

۴۔ مختلف نظامہائے تعلیم کا میزانیہ نفع و نقصان

۵۔ بھارت کے لئے کون سا نظام تعلیم مفید ہو سکتا ہے

۶۔ ملک کی مذہبی اور غیر مذہبی درسگاہوں کا موجودہ نظام تعلیم

۷۔ اسلامی نظام تعلیم کی عملی اسکیم

۸۔ اسلامی نظام تعلیم سے ہند کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اداروں کو چلانے اور تعلیم و تربیت کا فریضہ باحسن طریق انجام دینے کے لئے کن چیزوں پر توجہ دینا ضروری ہے۔ اپنے تجربات کی روشنی میں آپ کو بخوبی اس کا اندازہ تھا چنانچہ جامعۃ الفلاح سے ملحق ادارہ مصباح العلوم پڈرونا ضلع بستی کے صدر مدرس مولانا مشتاق احمد فلاحی صاحب کی طلب پر آپ نے ایک پیغام انہیں لکھ کر دیا تھا۔ اس میں جن چیزوں کی طرف رہنمائی فرمائی تھی وہ ذیل میں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں

"............ میرا پیغام ہے۔

۱۔ اساتذہ کرام اور کارکنان مدرسہ کو مدرسہ کا نصب العین ہمہ آن اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے اور اسے اپنے ذہن و دماغ میں پیوست رکھنا چاہئے۔ ایسا پیوست کہ کبھی نظروں

سے اوجھل نہ ہونے پائے اور اساتذہ وکارکنان کو اسکے حصول کے لئے سرگرم رکھے۔

۲۔ اساتذہ وکارکنان کو ایک ٹیم بن کر کام کرنا چاہئے۔ ایسی ٹیم "کا یہ بنیان مرصوص" گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور مسلسل چوکنا رہنا چاہئے کہ ان کے اندر کسی طرح کا کوئی اختلاف وانتشار راہ نہ پائے۔

۳۔ تمام ہی اساتذہ وکارکنان کو باہم ایک دوسرے کا مخلص ہمدرد وبہی خواہ ہونا چاہئے تاکہ اس ٹیم کے اندر کوئی شگاف نہ پڑنے پائے جس سے شیطان کو در آنے کا موقع مل جائے۔

۴۔ اساتذہ وکارکنان کو ہمیشہ انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینا چاہئے۔

۵۔ اساتذہ وکارکنان کو طلبہ کا صدردرجہ مخلص وبہی خواہ ہونا چاہئے اور ان کے اندر ہر آن یہ تڑپ رہنا چاہئے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ علمی فائدہ پہنچائیں اور انھیں قرآن وسنت کا جیتا جاگتا نمونہ بنادیں۔

۶۔ خادمانِ دین کو وسیع النظر اور وسیع القلب ہونا چاہئے اور تنگ دلی وتنگ نظری کو قریب نہیں پھٹکنے دینا چاہئے۔

۷۔ ہمیشہ اجر آخرت کو متاع دنیا پر ترجیح دینا چاہئے۔ اپنی تمام جدوجہد میں نظر اجر آخرت پر رکھنی چاہئے، متاع دنیا کو حقیر شئ سمجھنا چاہئے اور اجر آخرت کو متاع دنیا پر ترجیح دینا آپ کا شیوہ ہونا چاہئے۔

۸۔ کامیابی وکامرانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور غرور وتکبر کو قریب نہیں پھٹکنے دینا چاہئے۔

۹۔ حصول مقصد کی راہ میں انتھک جدوجہد کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ یہی کامیابی کی اصل کنجی ہے۔ (حیات نو بلریا گنج جولائی اگست ستمبر ۱۹۹۱ء از پیغام مولانا ابوبکر اصلاحی)

بنارس کی عالمگیری مسجد

(گیان باپی)

مولانا ابوبکر اصلاحی

جامع مسجد گیان باپی بنارس جسے عالمگیری مسجد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے آج کل بھارت میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ مولانا ابوبکر اصلاحی نے تاریخی انداز میں اس مسجد سے متعلق بہت پہلے ایک مضمون لکھا تھا۔ موقع کی مناسبت سے شریک اشاعت کیا جارہا ہے۔

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر اپنے نادر کارناموں کی وجہ سے جتنا زیادہ قابل ستائش تھا اتنا ہی زیادہ اسے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی اور سراسر خلاف واقعہ ہندو دشمنی اور مندر شکنی کا الزام اسکے سر تھوپ دیا گیا۔ اسی کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ اس نے وشوناتھ مندر ڈھاکر جامع مسجد گیان باپی کی تعمیر کی حالانکہ یہ بات بالکل خلاف حقیقت ہے۔ پچھم کی جانب سے باہر سے مسجد گیان باپی کی پشت کو دیکھئے تو چند آثار ملیں گے:۔

۱۔ مسجد کی پشت کی دیوار سے ملا ہوا پچھم جانب وسط میں ایک نیم شکستہ قبر۔

۲۔ پشت کی دیوار میں مختلف تین بلند محرابیں جو بند کی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن میں سے ایک وسط میں نیم شکستہ قبر بھی ہے اور وہ اس سے مناسب فاصلے پر اتر اور دکھن میں ہیں۔

۳۔ پشت کی دیوار میں مختلف مقامات پر ایک خاص ڈیزائن کے طاق۔

اسی دیوار میں خاص انداز کے بڑے بڑے پھول۔ پچھمی جانب سے باہری دیوار میں یہ آثار ایسے ہیں جو واضح طور پر یہ بتارہے ہیں کہ یہ دیوار حقیقتاً مسجد کی باہری

۲۔ پشت والی دیوار میں باہر کی طرف جس قسم کے اور جس سائز کے پھول ہیں بالکل ویسے ہی اندر مسجد میں بھی ہیں۔

۳۔ پشت والی دیوار میں باہر کی طرف جس انداز کے طاق ہیں بالکل اسی انداز اور اسی سائز کے موجودہ مسجد میں اندر دالان میں ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عمارت بھی کسی مغل بادشاہ کی تعمیر کی ہوئی تھی۔ اب آیئے تاریخ کی طرف رجوع کریں۔ مفتی شوکت علی فہمی لکھتے ہیں، "مسجد گیان باپی بنارس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے اسے مندر توڑ کر بنوایا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ مندر کسی زمانے میں نہ تھا بلکہ وہاں اکبر کے دین الٰہی کا ادارہ تھا جسے توڑ کر شاہجہاں نے ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۹ء میں مسجد بنوائی تھی اور اس کا تاریخی نام ایوان شریعت رکھا گیا تھا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھلا کون انصاف پسند مورخ اورنگزیب پر مندر شکنی کا الزام لگا سکتا ہے" کتاب "ہندوستان پر مغلیہ حکومت" صفحہ ۲۲۴

لیجئے جو کچھ زبان حال سے پشت کی دیوار بتا رہی ہے وہی کچھ تاریخ بھی بول رہی ہے کہ وہاں پر اکبر کا تعمیر کردہ دین الٰہی کا ادارہ تھا جسے توڑ کر شاہجہاں نے مسجد بنوائی۔ اس کی تائید اس کتبے سے بھی ہوتی ہے جو مسجد میں رکھے ہوئے ایک شکستہ پتھر پر ہے اور جو شائقین کا مرکز توجہ ہے اس پر یہ الفاظ ہیں۔ ایوان شریعت مولانا امام الدین صاحب رام نگری جو ہندی زبان کے بہترین ادیب ہیں اور ہندو مذہب و تہذیب کے بڑے محقق ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "اورنگزیب عالمگیر اور جامع مسجد گیان باپی تاریخ کی روشنی میں" اس میں لکھتے ہیں۔

مفتی شوکت علی فہمی کے بیان کا ثبوت خود بنارس میں موجود ہے۔ مولانا واعظ الرحمن بہاری ۱۹۱۹ء میں مسجد گیان باپی بنارس کے مدرسے کی مدرسی اور مسجد کی پنج وقتہ نماز کی امامت پر مقرر ہو کر آئے تھے ہر چیز کو شوق و تجسس کی نظر سے دیکھ

رہے تھے۔ مسجد کی پشت پر ایک قناتی مسجد بھی ہے اس میں پرانے زمانے کا ملبہ پڑا ہوا تھا اس میں ایک ٹوٹا ہوا پتھر ملا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے: "ایوان شریعت" مفتی شوکت علی فہمی ۱۰۴۸ھ نے مسجد کا نام ایوان شریعت لکھا ہے اور اس پتھر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس نام کی کوئی اسلامی عمارت تھی"۔ صفحہ ۲۶

در حقیقت یہ اکبر کے دین الٰہی کا ادارہ تھا جسے شاہجہاں نے ڈھایا۔ اس کے دالان والی زمین افتادہ چھوڑ دی۔ اس کی پورب والی دیوار کو باقی رکھ کر اسے مسجد کی پشت کی دیوار قرار دے دیا۔ اس کی محرابیں بند کر دیں اور مسجد تعمیر کر دی اور جب اسے نقصان پہنچایا گیا تو اورنگزیب نے اسے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرا دیا۔

وسط میں نیم شکستہ قبہ جو اختلاف اور غلط فہمی کا سبب بنا ہوا ہے وہ در اصل اکبری عمارت کا بیچ والا قبہ تھا۔ شاہی مسجدوں میں عام طور پر بیچ والا قبہ داہنے بائیں والے قبوں سے بڑا ہوتا ہے اور پورب جانب دیوار میں بھی بڑھا ہوتا ہے جیسا کہ جامع مسجد دلی اور خود مسجد گیان باپی میں ہے۔ اس قبہ کو سرے سے ختم کر دینے سے پشت والی پرانی دیوار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اس لئے اتنا حصہ جو پشت والی دیوار کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھا، چھوڑ دیا گیا۔ نیم شکستہ قبہ میں کنول بوٹوں کا انداز بھی بتاتا ہے کہ یہ عہد اکبری کی تعمیر ہے۔ بالکل اسی انداز کے کنول بوٹے فتح پور سیکری کے شاہی محلات میں موجود ہیں۔

ان سب حقائق کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ سرے سے غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ مسجد گیان باپی وشوناتھ مندر کو ڈھا کر بنائی گئی ہے۔ جب کہ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہاں پر وشوناتھ مندر کبھی تھا ہی نہیں۔

بابو شری کرشن ایک فاضل ہندو ہیں۔ انہوں نے "کاشی وشوناتھ کا مختصر تذکرہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں درمانی نے ہندو تہذیب کی قدیم

دیوار نہیں بلکہ کسی عمارت کی اندرونی دیوار تھی جو عمارت اتر دکھن میں کافی لمبی مسجد گیان باقی کی تھی اور پتھروں سے بنی ہوئی مغل طرز تعمیر کی یاد تازہ کرتی تھی۔ ان لوگوں کی فہم پر افسوس ہوتا ہے جو پوری دیوار کی طرف سے نظر ہٹا کر صرف نیم شکستہ قبہ پر نگاہ مرکوز کر دیتے ہیں اور اسے دیکھ کر یہ فیصلہ کر بیٹھتے ہیں کہ یہ مندر تھا جسے توڑ دیا گیا۔ جو لوگ رات کی تاریکی میں آنکھیں بند کر کے ہاتھی کے پیر کو چھو کر یہ فیصلہ کر دیں اور اس پر اصرار بھی کریں کہ ہاتھی ستون کی طرح ہوتا ہے ان کا فیصلہ قابل ماتم ہے اور انہیں سمجھانا مشکل ہے مگر جو لوگ کھلی آنکھوں سے فیصلہ کرنے کے عادی ہیں ان کے لئے آئندہ سطور انشاءاللہ مفید ثابت ہوں گی۔

پرانی عمارت جس کی اندرونی دیوار آج مسجد کیلئے پشت کی دیوار کا کام دے رہی ہے مسجد نما اتر دکھن لمبی تھی اس مسجد ہی کی طرح اندرونی جانب تین اونچی محرابیں تھیں اس کی چھت تین قبوں پر تھی۔ اس میں مغل طرز تعمیر کے طاق اور پھول تھے۔ یہ سب چیزیں آج بھی وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے مندر تو کسی صورت سے بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ مندر اس انداز کا نہیں ہوتا کہ اتر دکھن کافی لمبا دالان ہو۔ دالان تین قبوں پر ہو۔ اس دالان میں مسجد کی طرح محرابیں ہوں اور پھر عمارت مندروں کا نہیں بلکہ مغل طرز تعمیر کا نمونہ ہو۔

اس سے صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ عمارت کسی مغل بادشاہ کی تعمیر کی ہوئی تھی۔ موجودہ مسجد کے بارے میں تو سبھی متفق ہیں کہ مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے اسے تعمیر کرایا ہے۔ اگر مسجد کے اندرونی حصہ کی پشت کی دیوار سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ وہ عمارت ضرور کسی مغل بادشاہ کی تعمیر کی ہوئی تھی۔

۱۔ پشت والی دیوار میں جس انداز کی تین محرابیں ہیں موجودہ مسجد میں بھی تین قبوں والے دالان میں انہیں محرابوں کے بالمقابل تین ویسی ہی محرابیں ہیں۔

کتاب "کاشی کھنڈ" سے ثابت کیا ہے کہ جس مقام پر آج جامع مسجد گیان باقی ہے اس جگہ پر وشوناتھ مندر نہیں تھا۔ ورماجی نے لکھا ہے کہ:

"ہم ہندوؤں کے یہاں پران گرنتھ سب سے زیادہ پرانی اور پکی تاریخ ہے۔ افسوس کہ اس پرانی تاریخ کے ہوتے ہوئے مندر کا پتہ نہیں تھا اور ہم مسجد گیان باقی کو ہی پرانا مندر سمجھے ہوئے ہیں۔" مرقع بنارس صفحہ ۲۸۶۔ ایک اور مقام پر ورماجی لکھتے ہیں:

"اگر مسجد قدیم وشوناتھ مندر کی جگہ پر ہے تو کاشی کھنڈ کہتی نہیں ہے ورنہ تو جامع مسجد وشوناتھ ہی کے مندر کی جگہ پر نہیں ہے۔" مرقع بنارس صفحہ ۱۷۰

دیوا جیکل سروے آف انڈیا کے مصنف جلد اول پر لکھتے ہیں:

"یہ مسجد غلطی سے قدیم وشوناتھ مندر کی جگہ بتائی جاتی ہے۔"

ان حقائق کے ہوتے ہوئے کسی بھی جماعت یا فرد کو حق نہیں پہنچتا کہ جامع مسجد گیان باقی کو وشوناتھ مندر کی جگہ بتاتے ہوئے واپسی کا مطالبہ کرے۔ جو لوگ اس طرح کی تحریک چلا رہے ہیں وہ حق و انصاف کا خون کر رہے ہیں۔ انہیں جذبات سے الگ ہو کر اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور مسلمانوں سے اس طرح کا مطالبہ کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ دین اسلام کسی بھی مسلمان فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں دیتا کہ مسجد کی ایک انچ زمین بھی کسی کو دینے کا خیال دل میں لائے۔

انٹرنیٹ پر "الاسلام" کا نام احمدیوں نے الاٹ کرالیا

انٹرنیٹ پر اسلامی عقائد کی صحیح تصویر پیش کرنے کیلئے "الرحمٰن" کا صفحہ کھل گیا

ترجمہ: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

امریکی وزارت دفاع نے ساٹھ کی دہائی کے آخر میں اپنے ایڈوانس ریسرچ کے ادارہ DARPA کے توسط سے ARPA.NET کے نام سے نقل معلومات کا جو جدید ذریعہ ایجاد کیا تھا اور جس پر لاکھ کیلو بائیٹ فی سکنڈ کی رفتار سے پیغام رسانی و معلومات کی فراہمی کو ممکن بنایا تھا اس پر بہت سی دیگر کمپنیوں اور اداروں کی مداخلت سے یہ نظام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور پھر اس کا نام امریکی سے ہٹا کر بین الاقوامی نیٹ ورکنگ کی بنا پر انٹرنیٹ رکھ گیا۔

انٹرنیٹ کی "باقاعدہ ولادت" ۱۹۸۶ء میں ہوئی جب امریکن نیشنل ادارے NSF نے تعلیمی و سرکاری اداروں کے مابین تیز تر پیغام رسانی و معلومات کی منتقلی کا نظام متعارف کرایا۔ چنانچہ اس وقت انٹرنیٹ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ۵ ملین سے بھی زائد ہے جو کمپیوٹر اور ٹیلی فون کی مدد سے انٹرنیٹ سے منسلک ہیں اور اس تعداد میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر ماہ ایک ملین سے زائد افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔

انٹرنیٹ سسٹم نے جہاں معلومات کی فراہمی و منتقلی کو آسان بنا دیا ہے وہیں اس نے بعض معاملات میں غلط مبحث بھی پیدا کر دیا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال "الاسلام" کے نام سے انٹرنیٹ پر پائی جانے والی وہ معلومات ہیں جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ایک غیر مسلم فرقہ کے مخصوص عقائد و نظریات پر مبنی معلومات ہیں۔

اس پروگرام سے درد دل رکھنے والے مسلم نوجوانوں میں شدید اضطراب پایا جانا ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ دنیا کے مختلف حصوں میں انٹرنیٹ پر صحیح اسلامی عقائد جیسے اور صحیح اسلامی معلومات بہم پہنچانے کی کوششوں نے خاصی اسلامی بیداری کا ثبوت دیا اور

بہت سے پروگرام انٹرنیٹ پر آ گئے مگر اس سے قبل کہ ہم اس پروگرام کا ذکر کریں جس نے کمپیوٹر کے بعد انٹرنیٹ کو صحیح معنوں میں مسلمان کیا ہے، چند باتیں اس پروگرام کے حوالہ سے پیش کرنا ضروری ہیں جس نے بہت سے مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کیا۔

الاسلام کے نام سے انٹرنیٹ پر موجودہ پروگرام میں ۹۰ فیصد معلومات نہ صرف غلط بلکہ اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہیں۔ بدقسمتی سے کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جو اس کا بروقت نوٹس لے کر صحیح عقائد و نظریات کو انٹرنیٹ کے نظام پر روشناس کراتا۔

الاسلام کے نام سے انٹرنیٹ پر موجود پورا پروگرام درا صل یہودی سازش کا ایک حصہ ہے جس کا انٹرنیٹ پر "یاہو" کے نام سے مستقل ایک حصہ موجود ہے اور اس میں معلومات کے خانہ میں ایک فائل کا نام ہے "احمدی مسلم ہیں یا کافر؟" کون نہیں جانتا کہ احمدی وہ فرقہ ہے جسے تمام مسلم حکومتیں بالاجماع کافر قرار دے چکی ہیں۔ اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

علاوہ ازیں انٹرنیٹ پر چار فائلیں اس "یاہو" پروگرام کی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

- احمدی
- اسلام میں احمدی تحریک
- امریکہ میں احمدی تحریک
- احمدی اسلامی لائبریری

اس "یاہو" نے ایک فائل پر اسلامی احمدی ٹیلیویژن MTA کے نام سے کھول رکھی ہے۔ جس پر تمام تر معلومات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کا تعلق اسلام سے ہے حالانکہ اس پر قادیانیت کے سوا اور کچھ نہیں۔

انٹرنیٹ میں ایک بات یہ ہے کہ کوئی بھی ادارہ یا شخص اس پر جو کچھ بھی محفوظ کرنا چاہتا ہے وہ جب کسی بھی نام سے ایک بار فائل کھولتا ہے تو دوبارہ اس نام سے فائل نہیں کھولی جا سکتی گویا یہ نام اس نے الاٹ کروالیا۔ اسلامی اداروں کی اسے سستی کہئیے یا بے خبری

کہ قادیانیوں نے Qaiwan کے نام سے وہاں اپنا اسٹیشن قائم کرلیا اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

بہرکیف الریاض سعودی عرب کے ایک اسلامی ادارے "الحرمین" نے ایک پروجیکٹ اسلامی معلومات کے حوالہ سے تیار کرکے انٹرنیٹ پر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور دو سال قبل یہ کام شروع کیا گیا مگر صرف چھ ماہ قبل عملی طور پر یہ ادارہ اپنے منصوبے کو انٹرنیٹ پر لانے میں کامیاب ہوا ہے اور اب انٹرنیٹ پر AL HARAMAIN کے نام سے ایک صفحہ کھل گیا ہے جس کے ذریعہ اسلامی عقائد کی صحیح تصویر پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ یہ پروجیکٹ انگریزی زبان میں ہے اور اس میں درج ذیل اجزاء شامل ہیں۔

- الحرمین (ادارہ) کا تعارف اور اس کے اغراض و مقاصد
- اسلامی کتابوں کی نشر و اشاعت میں اس ادارہ کا کردار
- ایک ماہنامہ مجلہ کا اجراء جس کے اہم ابواب حسب ذیل ہوں گے۔
- عقیدہ • آیات و معانی • سنت • فتاوی • اسلامی اصطلاحات
- چوتھا حصہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پر مشتمل ہے۔ جس کا نام حق کا متلاشی رکھا گیا ہے۔

انٹرنیٹ پر اس قسم کا پراجیکٹ اپنی نوعیت کا منفرد منصوبہ ہے جس میں مختلف عنوانات کے تحت اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے لئے بڑی ہی مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں۔

- ادارہ "الحرمین" کے اسٹاک میں موجود اسلامی کتب کا کیٹلاگ اور ان کتب کی ترسیل سے متعلق معلومات
- اسلامی اصطلاحات پر مبنی ایک ڈکشنری جس سے غیر عرب لوگوں کو اصطلاحات کے معانی سمجھانا مقصود ہے۔ • صحیح العقیدہ اسلامی اداروں کی فہرست اور تعارف اور ان سے انٹرنیٹ کے ذریعہ رابطہ کا طریقہ۔

اسطرح انٹرنیٹ نے "الحرمین" کے اسلام قبول کرلیا ہے اور الحرمین کی مہیا کردہ اسلامی معلومات انٹرنیٹ پر دیکھنے اور حاصل کرنے کیلئے رابطہ نمبر HTTP://WWW.AL HARAMAIN.ORG

(بشکریہ صیانت)

نصرانیت

(دوسری قسط)

عقیدۂ تثلیث کی تردید : جن نصوص سے وہ عیسیٰ مسیح کی ابنیت والوہیت کے دلائل پیش کرتے ہیں وہ انجیل متی اصحاح ۲۶ فقرہ ۶۳-۶۴ کی یہ عبارت ہے جس میں صدر کاہن کی زبانی یہ حکایت منقول ہوئی ہے کہ اس نے مسیح سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے پہلے کوئی جواب نہ دیا، بالکل خاموش رہے، پھر صدر کاہن نے خدائے حی و قیوم کی قسم دیکر ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ کیا واقعتا آپ مسیح ابن اللہ ہیں؟ تب انہوں نے جواب دیا اور کہا "بات تمہاری بات ہے"۔

اسی طرح انجیل ۳ / ۱۷ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہی میرا محبوب ہے جس سے میں خوش ہوں"۔

اسی طرح یوحنا کا آغاز بھی عجیب و غریب منطقی انداز سے ہوا ہے۔

"ابتداء میں کلمہ تھا، کلمہ اللہ کے پاس تھا اور کلمہ ہی اللہ تھا۔"

اسی انداز کی چند عبارتوں سے عیسیٰ مسیح کی ابنیت و الوہیت پر استدلال کیا جاتا ہے، حالانکہ بے شمار نصوص اس بات کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس لئے ان صریح نصوص کے مقابلے میں مذکورہ چند مجمل عبارتوں سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

متی ۲۱ / ۱۱ میں ہے: "انہوں نے کہا یہ عیسیٰ نبی ہیں ناصرہ گاؤں کے۔"

انجیل یوحنا ۶ / ۱۴ میں ہے: "جب مسیح کی پیش کی ہوئی نشانیاں لوگوں نے دیکھیں تو پکار اٹھے، سچ مچ یہ وہی کار رسول بن کر آیا ہے۔"

ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ انجیل میں لفظ اب کا استعمال اس شخص کے لئے بھی ہوا ہے جو ضروریات کی کفالت کرتا ہو اور جس کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جاتی ہو، جیسا کہ باپ بیٹوں کا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ انجیل متی ۲۳/۹ میں ہے: "تم زمین پر کسی کو اپنا حاجت روا مت کہو، تمہارا حاجت روا وایک اکیلا ہے جو آسمان پر ہے"۔

انجیل یوحنا ۲۰/۱۸ میں عیسیٰ کا یہ قول منقول ہے: "جا؛ میرے بھائیوں کے پاس ان سے کہو کہ میں اپنے اور تمہارے حاجت روا اور معبود کے پاس جارہا ہوں"۔

لوقا ۱۱/۲ میں ہے: "تب اس نے ان سے کہا جب تم نماز ادا کرو تو کہو ہمارا حاجت روا وہ ہے جو آسمان پر ہے۔"

اسی طرح لفظ ابن بھی اطاعت کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ متی ۵/۹ میں مذکور ہے: "مبارک ہو صلح کی کوشش کرنے والوں کو کہ وہ اللہ کے (ابن) اطاعت گزار ہیں اور اسی سے دعا مانگتے ہیں۔"

اس کے علاوہ انجیل میں اللہ کی الوہیت وحدانیت کی جابجا صراحت کی گئی ہے۔ انجیل مرقس ۱۲/۲۹ میں ہے: "اے اسرائیل سنو اسب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ ہمارا معبود رب واحد ہے، کاتب نے کہا بجا ارشاد فرمایا آپ نے اے معلم اور حق بات کہی کیونکہ الہ ایک اللہ ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔"

ان صاف اور واضح عبارتوں کے مقابلے میں ان غموض کی تہہ میں دبی ہوئی عبارتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جس سے عیسائی تثلیث کا عقیدہ مستنبط کرتے ہیں جبکہ ان واضح عبارتوں کی تائید و توثیق تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم سے بھی ہوتی ہے۔

دوم صلیب: اس کی حقیقت یہ ہے کہ تختہ دار پر کھینچ کر کسی کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ مسیح کو تختہ دار پر لے جا کر موت کی نیند کی آغوش میں سلا دیا گیا۔ یہودی کہتے ہیں کہ مسیح کافر ہو گئے تھے اس لئے تختہ دار پر لے جا کر ان

کو مصلوب کر دیا گیا اور موت کی ابدی نیند سو گئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو مصلوب ہوتا ہے وہ اللہ کا لعنت زدہ ہوتا ہے کیونکہ سفر تثنیہ اصحاح ۲۱ میں ہے: "جو انسان ایسا گناہ کرے جو اس کی موت کا سبب ہو تو اس کو تختہ دار پر زیادہ دیر رکھنے کے بجائے فوراً دفن کر دینا چاہئے کیونکہ وہ ملعون من اللہ ہے۔"

نصاریٰ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسیح کی موت مصلوب ہونے سے ہی ہوئی لیکن وہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ انہوں نے مصلوب ہو کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اور تمام بنی نوع انسان کی اسی وجہ سے نجات ہوگئی ورنہ آدم نے اکل شجرہ کا جو گناہ کیا تھا وہ تمام انسانوں کے سر جاتا اور اللہ کے قہر و غضب کو واجب کرتا اس لئے ناگزیر تھا کہ درمیانی واسطہ بن کر کوئی گناہ کے اس بار گراں کو اٹھائے اور تختہ دار پر مصلوب ہو کر جان دینے کے لئے رضامند ہو۔ یہ درمیانی واسطہ ہی ابن اللہ ہے اور ابن اللہ ہی اللہ ہے، جو آسمان سے اتر کر اس لئے آیا تھا کہ صلیب پر جان دے کر تمام انسانوں کے گناہ کا کفارہ ادا کر دے اور انسان ابدی نجات سے ہمکنار ہو جائے۔ صلیب کے بارے میں نصرانیوں کا یہی عقیدہ ہے، اسی لئے وہ اس کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں اور اسے اپنا دینی شعار سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نصرانیوں کا دین مذہب تمام تر اسی عقیدہ صلیب کی پیداوار ہے اور اس عقیدہ کو اپنانے کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ عیسیٰ مسیح کے مصلوب کئے جانے کے مقابلہ میں انہوں نے یہودیوں کی بات پر اعتماد کیا کیونکہ انہوں نے ہی انہیں مصلوب کیا تھا اور چونکہ مصلوب ہونے کی وجہ سے وہ عہد قدیم کی رو سے مستحق لعنت خداوندی ہوتے تھے، اس لئے لعنت کا یہ داغ دور کرنے کے لئے انہیں کفارہ ذنوب کا عقیدہ تراشنا پڑا کہ صلیبی موت لعنت نہیں بلکہ بنی آدم کے گناہوں کے کفارے کی رحمت و بشارت ہے۔

حالانکہ کفارہ ذنوب کا عقیدہ انتہائی نامعقول عقیدہ ہے، اس پر بے شمار

اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور کسی نے اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ اناجیل میں واقعہ صلیب سے متعلق جو بیانات ہیں ان میں اتنا اضطراب ہے کہ وہ کسی طرح لائق اعتماد نہیں رہ جاتے۔ پھر یہ اناجیل خود ہی مشکوک و غیر معتمد ہیں (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔)

عقیدۂ صلیب پر وارد ہونے والے چند اعتراضات یہ ہیں:

۱۔ مسیح کا مصلوب ہونا ان کے بعد آنے والے تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہے تو ان انبیاء و رسل کا کیا ہوگا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

۲۔ کسی شریعت کا یہ قانون نہیں کہ باپ کے گناہ پر بیٹے کا مواخذہ کیا جائے۔ خود توریت استثنا ۲۴/۱۶ میں ہے۔

"باپ کو بیٹے کے عوض اور بیٹے کو باپ کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہر انسان کو خود اپنے گناہ کے عوض ہی قتل کیا جائے گا۔"

۳۔ آدم نے توبہ کر لی تھی اور جنت بدر ہو کر اس گناہ کی سزا بھی کاٹ لی تھی، تو کیا یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ ایک گناہ کی سزا دوبارہ دی جائے۔ جب کہ یہ سزا اولاد آدم کو بھی انگیز کرنی پڑی کہ باپ کے ساتھ انہیں بھی جنت بدر ہونا پڑا، حالانکہ ان کا براہ راست قصور نہیں تھا۔

۴۔ آدم کے کفارۂ گناہ کے لئے کسی کا جان دینا ضروری بھی نہیں تھا۔ اللہ ان کی مغفرت یوں بھی کر سکتا تھا۔

۵۔ آدم اور عیسیٰ کے درمیان طویل مدت کا وقفہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طویل عرصہ میں اللہ کو اس حیلہ کی کیوں نہ سوجھی، کیا وہ اتنے دنوں تک حیران و سرگرداں رہا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

۶۔ عیسیٰ سے پہلے بہت سارے انبیاء گزرے، اگر یہ بات صحیح تھی تو کیوں

نبی نے اس گناہ کا تذکرہ کیا اور نہ ہی اس سے مغفرت کی دعا کی۔

۷۔ مسیح کو ابن اللہ مانا جائے تو پھر وہ تو آدم کی جنس سے نہیں ہوئے اس لئے انہیں آدم کے گناہ کی سزا دینا خلاف عدل و انصاف ہوگا۔ یا انسانی روپ میں ان کے ظہور کا معاملہ تو اس سے بحث نہیں تبدیل ہو چکی۔

۸۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح ابن اللہ تھے اور مصلوب ہو کر بے بسی اور مظلومیت کی موت مرے تو سوال پیدا ہوگا کہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں کیوں نہیں آئی جب یہودی اور رومی ان کے ساتھ بیداد اور بے دردی کا سلوک کر رہے تھے۔

۹۔ اگر مسیح کی بعثت کا مقصد مصلوب ہو کر گناہ کا کفارہ ادا کرنا ہی تھا تو صرف یہودیوں کا سپاس گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے ان کے نبی کا مقصد بعثت پورا کر دیا۔

۱۰۔ اگر عیسیٰ نے اپنی جان دے کر تمام انسانوں کے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا اور تمام انسانوں کو ابدی نجات سے ہمکنار کر دیا تو پھر ان پر ایمان لانے اور پیروی کرنے کی کیا ضرورت رہی۔

ان اعتراضات کا آج تک کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکا۔ اس لئے چار و ناچار کہنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ [illegible] کی قبیل سے ہے اور عقل و شریعت سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

مسلمانوں کا صحیح اور برحق عقیدہ یہ ہے کہ مسیح محترم و مکرم نبی ہیں۔ یہودیوں نے کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کرنے کی جسارت کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا۔ قرآن کہتا ہے۔

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم ۔ وما قتلوه وما صلبوه۔ الآية

پھر آخری زمانے میں قرب قیامت کے وقت سے کچھ پہلے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

باب الاستفتاء والجواب

انیس احمد مدنی

سوال: کیا کسی مسجد کی ضرورت سے فاضل رقم اور سامان کو کسی دوسری مسجد پر استعمال کرنا درست ہے؟

جواب: کسی مسجد پر وقف کئے ہوئے سامان جو اس کی ضرورت سے فاضل ہوں اور آئندہ بھی اس مسجد کو اس سامان کی ضرورت نہ پڑنے کا ظن غالب ہو، دوسری مسجد پر جسکو اس سامان کی ضرورت ہو صرف کرنا جائز ہے۔ قالت عائشۃؓ: "سمعت رسول الله ﷺ يقول لولا ان قومك حديثو عهد بجاهلية او قال بكفر لانفقت كنز الكعبة في سبيل الله (الحدیث مسلم شریف ج ۱ ص ۴۲۹) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر تمہاری قوم کو عہد جاہلیت سے نکلے ہوئے یا کفر سے نکلے ہوئے کم دن نہ ہوئے ہوتے تو میں خانہ کعبہ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔"

یہی مذہب امام احمدؒ کا بھی ہے۔ المغنی میں ہے: "وما فضل من حصر المسجد و زيته و لم يحتج اليه جاز ان يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم (ج ۵ ص ۵۷۹)

مسجد کی چٹائیوں اور تیل میں سے فاضل اشیاء جنکی ضرورت نہ ہو انہیں دوسری مسجد میں صرف کرنا یا مسجد کے ہمسایہ فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا درست ہے۔

سوال: کیا شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

جواب: شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے

حضرت عائشہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا: "لومت قبلي لغسلتك و كفنتك" (سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز حدیث رقم (۱۴۶۵) ج ۱ ص ۴۷۰) اگر تو مجھ سے پہلے مر گئی تو میں تمہیں غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد انہیں غسل دیا تھا۔ (المغنی ج ۲ ص ۳۱۲)

سوال: کیا پالتو نیل گائے کی قربانی جائز ہے؟

جواب: پالتو نیل گائے کی قربانی جائز نہیں ہے، کیونکہ قربانی صرف مویشیوں کی کی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری ہے: "ليذكروا اسم الله ما رزقهم من بهيمة الانعام (سورۃ حج ۳۴) تاکہ لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔

اور لفظ "انعام" کی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہے: " و من الانعام حمولة و فرشا ... ثمانية ازواج من الضان اثنين ومن المعز اثنين ... ومن الابل اثنين ومن البقر اثنين - الآیہ۔ (سورۃ انعام ۱۴۲-۱۴۴)

پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں دو جانور بھی پیدا کئے ہیں جن سے سواری و باربرداری کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ آٹھ نر و مادہ ہیں۔ دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے اور دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے۔"

امام حسن بن صالح کے نزدیک نیل گائے کی قربانی ایک فرد کی جانب سے پیش کی جا سکتی ہے لیکن یہ رائے دلائل سے مبرا اور نص صریح کی خلاف ورزی ہے۔

تعارف و تبصرہ

ابو عبید الرحمن محمد فلاحی

سہ ماہی "اردو دنیا" نئی دہلی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء (خصوصی شمارہ)

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، محکمہ تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل

صدر دفتر: ویسٹ بلاک ۱، آر کے پورم، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۶۶

کتابت و طباعت: عمدہ   قیمت: صفحات: ۱۱۴

زیر نظر شمارہ دراصل اردو اکاڈمیوں کی سرگرمیوں پر مشتمل خصوصی شمارہ ہے جس کے اندر جہاں ان کے مقاصد اور سرگرمیوں کا تذکرہ ہے وہیں ان کے آئندہ منصوبے اور دیگر تجاویز بھی مذکور ہیں۔ اس طرح یہ قومی سطح پر اردو کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کے تعارف کے سلسلہ میں ایک دستاویزی اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔ البتہ فاضل مدیر اعلیٰ کا یہ دعویٰ کچھ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ "جب تمام رپورٹوں کو ایک ساتھ زیر نظر رکھا جائے گا تو قارئین کے سامنے سے وہ غبار دور ہو جائے گا جو اردو کے ان دشمنوں اور نادان دوستوں کے سبب چھایا جا رہا ہے، وہ غلط فہمی جو انہیں اس تشویش میں مبتلا کرتی ہے کہ اردو ہندوستان سے ختم ہو رہی ہے"۔ (ص ۳)

اگر صورت واقعہ یہی ہے تو مختلف اکاڈمیوں کی رپورٹ میں اردو قارئین Readership کی کمی پر اظہار تشویش کیوں کیا گیا ہے اور کیوں انہیں بڑھانے کی طرف خصوصی توجہ دینے کی بات کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ماضی کے مقابلے میں ترقی کا گراف بڑھا ہے یا گھٹا ہے؟ کیا کسی زبان کے ارتقاء کے لئے وہ سرگرمیاں کافی ہیں جن کا تذکرہ اردو اکاڈمیوں کی رپورٹوں میں کیا گیا ہے۔ (اندازہ لگاتے وقت ان کاموں کا معیار بھی سامنے رہنا چاہئے صرف مقدار نہ دیکھیں۔)

ہاں اس قدر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اردو کی بقا اور تحفظ میں ان سرگرمیوں کو یقیناً مقام ضرور حاصل ہے اور آئندہ منظم منصوبہ بندی کے ساتھ کوشش کی جائے تو مزید بہتری کی توقع ہے۔ خدا کرے ایسا ہو جائے۔ آمین!

قومی کاؤنسل کی بعض کوششیں یقیناً انتہائی قدر ہیں مثلاً مخزن العلوم کے نام سے انسائیکلوپیڈیا کی تیاری اور جامع اردو انگریزی لغت کی تیاری وغیرہ۔ ریاستی اردو اکاڈمیوں کی چنڈی گڑھ کانفرنس میں جو سفارشات منظور کی گئی ہیں وہ اگر روبہ عمل آجائیں تو اور بھی چار چاند لگ جائیں گے۔ اس کے ساتھ قومی کاؤنسل کے سربراہ رہے پروفیسر محمد حسن صاحب کی دو باتیں انتہائی قابل توجہ ہیں۔

ایک یہ کہ "اس زبان و ادب اور اس کے ادب اور تہذیب کے عظیم الشان ذخیرے کا تحفظ، دوسرے اس ذخیرے میں ایسے جواہر پاروں کا اضافہ جو آنے کی راہوں میں روشنی فراہم کر سکیں"۔ (ص ۷۹)

اسی طرح آگے دونوں سوالوں پر بھی انتہائی سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جانا چاہئے۔

ایک یہ کہ مختلف زبانوں میں اردو کی لغات، مختصر ہی سہی، شائع کیوں نہ ہو سکیں اور یہ محض ہندوستانی زبانوں تک محدود کیوں ہے، عالمی زبانوں تک کیوں نہ پہنچے۔ مثلاً مراٹھی اردو اور اردو مراٹھی لغت یا اسی طرح تامل اردو اور اردو تامل لغت یا تلگو اردو اور اردو تلگو لغت اس سلسلے میں کچھ کام ڈاکٹر ساجدہ صاحبہ نے کیا تھا کیوں آگے نہیں بڑھایا جا سکا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تقابلی ادبیات، مختلف مترادف الفاظ کی اردو لغت Thesaurus یا ابتدائی اردو سکھانے کی کتاب جو خاص طور پر ہندوستان کے مختلف اللسان بچوں کو ذہن میں رکھ کر تیار کی جائیں"۔ (ص ۷۹)

آخر میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو داں طبقے کے لئے اس میں بہت کچھ تسکین کا سامان ہے۔ انہیں اس سے استفادہ ضرور کرنا چاہئے۔

اسلام حقیقت کے آئینے میں

مؤلف : انجم صدیقی

ناشر : گلستان ادب، ہمیر پور، پھول پور، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

کتابت وطباعت : اوسط قیمت : ۵ روپے صفحات : ۲۲

"یہ باضابطہ کوئی کتاب نہیں بلکہ عنوان بالا پر چند اقتباسات کا مجموعہ ہے جس میں بظاہر کوئی ترتیب بھی نہیں البتہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ حاکمیت الٰہ کے صحیح تصور کو اجاگر کیا جائے اور توحید کی حقیقی معنویت سے آگاہ کیا جائے اور کلمہ طیبہ کی بنیاد پر دعوت کے آغاز کے لئے ذہنوں کو ہموار کیا جائے۔ جن کے ذہنوں میں اس پہلو سے کوئی خلجان ہو ان کے لئے اس کا مطالعہ مفید رہیگا"۔

املا کی بعض غلطیاں ہیں جنکی اصلاح کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ص ۱۵ پر ہے۔ "مختلف اماموں کو اور مشائخ کو مستقل متاع قرار دے کر"۔ اس میں نشان زدہ لفظ "متاع" غلط ہے اسے "مطاع" ہونا چاہئے کیوں کہ "متاع" سامان کو کہتے ہیں اور "مطاع" اسے کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔

جامعہ کے لیل و نہار

محترمہ طیبہ عثمانی کا خطاب عام

محترمہ طیبہ عثمانی صاحبہ (ناظمہ حلقہ خواتین جماعت اسلامی، یوپی) ۵ جون کو جامعہ تشریف لائیں کلیۃ البنات میں آپ کے خطاب عام کا پروگرام رکھا گیا۔ موصوفہ نے اپنے خطاب عام میں علم کی اہمیت وفضیلت اور معاشرہ کی اصلاح میں خواتین کی اہمیت و ذمہ داری پر روشنی ڈالی۔ آپ کی تقریر سے طالبات خاص طور سے متاثر ہوئیں اور انھیں علم وعمل کی راہ میں آگے بڑھنے کا نیا حوصلہ و ولولہ ملا۔

امتحانات

الحمدللہ جامعہ میں امتحان ۲۰ جون سے شروع ہوکر ۲ جولائی کو بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ یہ امتحان عام قواعد وضوابط کی پابندی کے لحاظ سے قابل تقلید تھا۔ لیکن دوران امتحان اڈاکا دل کی عدم موجودگی کی وجہ سے نقل کے حوصلوں کی کافی ہمت افزائی ہوئی۔ امید ہے آئندہ اس جانب توجہ کیجائیگی۔

ناظم امتحان جناب مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی نے بتایا کہ نتائج مدرسہ کھلتے ہی آوٹ کر دیئے جائیں گے۔

اظہار تعزیت

یہ خبر جامعہ میں بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ جامعۃ الفلاح کے معمار اول جناب مولانا شبیر احمد صاحب مفتاحی کی اہلیہ زبیدہ انودی مرحومہ ۱۸ جون بروز جمعرات انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کلیۃ البنات نسواں کی پہلی معلمہ تھیں۔

ایسے ہی یہ خبر بھی تمام فلاحی برادران کے لئے انتہائی باعث رنج وغم ہوگی کہ جناب مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی ازہری کی والدہ محترمہ ۱۰ جون میں اپنے رب حقیقی سے جا ملیں۔

بڑے ہی دکھ کے ساتھ ہم یہ خبر بھی دے رہے ہیں کہ محترم جبرئیل امین فلاحی صاحب کے والد محترم جناب عبدالشکور دو ودر مرحوم یکم جولائی کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

ادارہ حیات نو تمام سوگواروں کے رنج وغم میں برابر کا شریک ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرحومین کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے۔

اعلان عام | جامعہ میں تعطیل ششماہی کا آغاز ۸ جولائی مطابق ۱۳ ربیع الاول سے ہو چکا ہے۔ تعطیل کے بعد مدرسہ ۲۵ جولائی بروز سنیچر مطابق ۳۰ ربیع الاول کو کھلے گا۔

بقیہ:- روداد انجمن

اور برادر عبیدالرحمٰن کے نام شامل ہیں۔ تمام ہی فلاحی برادران نے یہ توقع ظاہر کی کہ ان کے اچھے اعمال مولانا مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ کا کام کریں گے۔ مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔

محمد ارشد

روداد انجمن

دہلی یونٹ کی تعزیتی نشست

نئی دہلی مولانا ابوبکر اصلاحیؒ کی وفات پوری فلاحی برادری کے لئے باعث رنج تھی۔ اطلاع ملنے کے بعد انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی دہلی یونٹ نے ایک تعزیتی نشست مسجد اشاعت اسلام دعوت نگر ابوالفضل انکلیو میں ۲۴ مئی ۱۹۹۸ء کو بعد نماز مغرب منعقد کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں جاری امتحانات کے سبب وہاں یا دہلی کی دیگر یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ کو اس نشست میں شرکت کی زحمت نہیں دی گئی تاہم سینئر فلاحی برادران کی بڑی تعداد میں آمد نے اسے بہت اہم بنا دیا اور مولانا کی شخصیت کے کئی اہم گوشے سامنے آئے۔

بیرون ملک سفر کی غرض سے دہلی تشریف لائے جامعۃ الفلاح کے نائب ناظم مولانا ابوالبقاء ندوی اور انجمن طلبہ قدیم کے صدر مولانا رحمت اللہ اثری بھی نشست میں شریک رہے اور مولانا کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائے۔ اظہار خیال کرنے والوں کی اکثریت نے خصوصیت کے ساتھ مولانا کی سادگی، سلیقہ مندی، نفاست پسندی اور خوش ذوقی کا تذکرہ کیا۔ مولانا کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ مولانا خواہ اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہوں یا انھیں معمولی ذمہ داریاں سونپی گئی ہوں انھوں نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا بلکہ اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دیں اور انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ برادر عبیدالرحمٰن نے اپنی گفتگو میں مولانا کی زندگی کے ایک اہم گوشے ان کے طریقہ تربیت کا تذکرہ کیا ایک ایسے وقت میں جب [illegible] کی شکایت عام ہے ذمہ داران جامعہ کے لئے مولانا کی زندگی کے اس اہم گوشے میں بہت کچھ مل سکتا ہے۔ مولانا کے بارے میں اظہار خیال کرنے والوں میں مولانا ابوالبقاء ندوی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا ابوالمکارم (صدر دہلی یونٹ)، مولانا خالد غازی، مولانا طارق اکرام اللہ، مولانا عبدالحق فلاحی

بقیہ ص ۵۰ پر

خطوط و رسائل

جناب ایڈیٹر صاحب "حیات نو"

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مئی کے شمارے میں مراسلے کی اشاعت کا شکریہ!!

یہ دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے کہ "حیات نو" میں مسلسل مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بارے میں ناواقفیت پر مبنی اور بے بنیاد باتیں شائع ہو رہی ہیں۔ مئی کے شمارے میں اپنی غلطیوں پر ڈاکٹر فیاض حمید صاحب کا اصرار اور بڑھ گیا ہے جس کے لئے انھوں نے بے جا دلائل و شواہد بھی پیش کرتے رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بنیادی بات کو بھی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ کسی مسئلہ میں اگر اختلاف ہو تو کس کا بیان مرجح مانا جائے گا یا کس کے بیان سے استشہاد بہتر اور اصول تحقیق کے رو سے درست ہوتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی مدرسۃ الاصلاح چھوڑ کر کب پٹھان کوٹ تشریف لے گئے۔ اس کے متعلق مولانا نظام الدین صاحب کا بیان اس لئے معتبر ہے کہ وہ اس وقت مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم اور امین احسن صاحب سے درس لے رہے تھے۔ ان کے بیان پر خالد مسعود صاحب کے بیان کو ترجیح دینا اور اسی کی بنیاد پر مولانا نظام الدین صاحب کے بیان کو مسترد کرنا صریح زیادتی ہے جب کہ اس کے ثبوت میں جناب نعیم صدیقی کی تحریر کردہ وہ روداد موجود ہے جو مارچ و اپریل ۴۴ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی ہے اور جس کا ذکر میں گزشتہ مراسلے میں کر چکا ہوں۔

لطیفہ یہ ہے کہ خالد مسعود صاحب کے جس بیان کی بنیاد پر مولانا نظام الدین صاحب کے بیان کو رد کیا جا رہا ہے اس میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ مولانا امین احسن صاحب نے ۴۱ء میں مدرسۃ الاصلاح چھوڑ دیا تھا ملاحظہ ہو "۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم ہوئی تو مولانا بھی اس میں شامل ہوتے اور مودودی کے اصرار پر مدرسہ چھوڑ کر دارالاسلام پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے" (حیات نو مئی ص ۳۶)

اس میں صرف اس کی صراحت تو ہے کہ ۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم ہوئی، لیکن اسی سال مولانا امین احسن صاحب کے اس میں شامل ہونے اور مولانا مودودی کے اصرار پر مدرسہ چھوڑ کر پٹھان کوٹ منتقل ہونے کی کوئی تصریح نہیں ہے، دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ فیاض حمید صاحب مدرسہ چھوڑنے کے بعد مولانا امین احسن صاحب کو سیدھے لاہور پہونچا دیتے ہیں اور پٹھان کوٹ کے قیام ہی کو سرے سے نظر انداز کر جاتے ہیں جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مدرسہ چھوڑ کر چند مہینے بھوپال بھی رہے تب پٹھان کوٹ تشریف لے گئے ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی تو ۴۲ء میں ہی لاہور منتقل ہو گئے تھے پھر لوٹ کر وطن نہیں آئے اور تقسیم کے بعد پاکستان کے شہری ہو گئے" (حیات نو مئی ص ۳۹)

لیجئے یک نہ شد دو شد سراسیمہ مولانا کو پٹھان کوٹ کے بجائے لاہور پہنچا دیتے ہیں اور پھر وہاں سے وطن آنے کی سراسر نفی بھی فرما دیتے ہیں جب کہ دو تین بار وطن تشریف لانا بالکل مسلم ہے الہ آباد اور پٹنہ کے اجتماعات اور پھر والد کے انتقال کے بعد ۱۹۵۲ء میں اس آخری آمد میں راقم نے خود بمہور جا کر مولانا سے ملاقات کی تھی۔

۲۔ اپنی اس غلطی کو تسلیم نہ کرکے وہ کئی اور غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن میں سب سے اہم وہ ہے جس کو مولانا نظام الدین صاحب نے بڑی تکلیف دہ بتایا ہے یعنی "بیوی بچوں کو بے سہارا چھوڑنے کا الزام" بیوی کا تو سرے سے سوال ہی [illegible] شادی میں رحلت کر چکی تھیں، تمام بچوں کو بھی

وہ اپنے ساتھ لیتے گئے تھے، صرف ان کے منجھلے صاحبزادے یہاں رہ گئے تھے
اس کا مناسب جواب مولانا نظام الدین صاحب کے مراسلے میں آچکا ہے، میں اس پر اس قدر اضافہ کروں گا کہ جس زمانے میں مولانا اصلاحی اپنے ایک بچے کو یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس زمانے کا خاندانی نظام آج کل سے مختلف تھا مولانا کے پٹھانکوٹ جانے کے وقت ان کے والد، چچا، بھائی، بہنیں سب موجود تھیں جو اس "بے سہارا بچے" کے متکفل تھے، اور اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے صدیق حمیم مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم کے سپرد کر گئے تھے جو اپنے صاحبزادے سے زیادہ مولانا اصلاحی کے صاحبزادے کی خبرگیری اور تعلیم و تربیت پر توجہ دیتے رہتے تھے۔

۲۔ پروفیسر شعیب اعظمی کا بیان بھی مولانا نظام الدین اصلاحی کے بیان کے مقابلے میں کسی طرح صحیح نہیں مانا جاسکتا، انھوں نے اپنے بچپن میں اپنے والد بزرگوار حکیم محمد اسحٰق مرحوم کے پاس مولانا امین احسن صاحب کو چند بار دیکھا تھا، حد یہ ہے کہ فیاض حمید صاحب جو بیان اپنی تائید میں نقل کرتے ہیں اس کی غلطیوں کے ادراک سے وہ قاصر رہے ہیں چنانچہ پروفیسر شعیب کے محولہ بیان میں مولانا نجم الدین اصلاحی کو بھی مولانا امین احسن اصلاحی کا شاگرد بتایا گیا ہے، مولانا نجم الدین مرحوم ان سے ایک درجہ پیچھے ضرور تھے۔ مگر عمر میں ان سے بڑے تھے۔

۳۔ جماعت کی تاسیس کے وقت مولانا امین احسن صاحب خود اپنے موجود ہونے کی نفی کرتے ہیں مگر فیاض حمید صاحب خالد مسعود صاحب اور مولانا کے بعض دوسرے تلامذہ کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں کہ "نہیں مولانا تاسیس جماعت میں شریک تھے۔"

۴۔ جماعت سے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی علیحدگی کے سلسلے میں میاں طفیل محمد قیم جماعت کے بیان پر خالد مسعود صاحب کے بیان کو ترجیح دینا بھی مضحکہ خیز ہے، میرے علم کے مطابق مولانا اصلاحی کو ۵۵ء ہی میں مولانا مودودی

سے شدید اختلاف ہو گیا تھا اور اخباروں سے پتہ چلتا تھا کہ اب وہ علیحدہ ہو جائیں گے چنانچہ ان کے بعض رفقاء تو اسی سال علیحدہ ہو گئے تھے مگر مولانا اصلاحی خود جنوری ۵۸ء میں جماعت سے الگ ہوتے تھے،

۵۔ اگر کسی معاملہ میں دو یا کئی بیانات برابر درجہ کے ہوں تو اس وقت دوسرے ثبوت و شواہد تلاش کرنا چاہیئے مثلاً الاصلاح کب بند ہوا، اس کے متعلق انھوں نے تین متضاد بیانات نقل کئے ہیں، ان میں تحقیق و ترجیح کی صورت یہ تھی کہ الاصلاح کی فائلیں دیکھی جاتیں، اگر اس کا موقع نہیں مل سکا تو مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی کو خط لکھ کر معلوم کیا جاتا، وہ دائرہ حمیدیہ کے موجودہ انچارج ہیں، اس کے مضمون نگاروں میں بھی وہ اور عبداللطیف اعظمی صاحب بچ رہ گئے ہیں اطال اللہ عمرہما۔

یہاں بھی لطیفہ ملاحظہ ہو کہ ان کے استاد محترم مولانا محمد ایوب اصلاحی صاحب نے تو ۴۲ء تک الاصلاح کا نکلنا بتایا مگر وہ اس پر بھی قانع نہیں ہوئے اور پتہ نہیں کس طرح ان کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی کہ "بلکہ ۴۲ء کے بعد بھی اس کے چند شمارے شائع ہوئے ہیں اور مکمل طور سے ۴۳ء کے بعد بند ہوا ہے" (حیات نو مئی ص۳۶) میں اپنے پچھلے مراسلہ میں الاصلاح کی فائل دیکھ کر لکھ چکا ہوں کہ وہ نومبر ۳۹ء کے بعد بند ہوا ہے، اس لئے اب اس میں کسی قیل و قال کی گنجائش ہی نہیں، فیاض حمید صاحب کو الاصلاح و اصلاح میں اشتباہ ہوا ہے حالانکہ یہ دو رسالے ہیں، الاصلاح مولانا امین احسن صاحب کی ادارت میں نکلا تھا، اور اصلاح مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کی ادارت میں اس کے چند برس بعد نکلا تھا، دونوں کی نوعیتوں میں بھی بڑا فرق تھا، اول الذکر قرآنی حقائق و معارف اور استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کے افکار و نظریات کی اشاعت کے لئے جاری کیا گیا تھا جو قرآنیات پر عالمانہ و محققانہ مضامین کے لئے مختص تھا اور اس کا شمار ملک کے بلند پایہ اور معیاری رسالوں میں ہوتا تھا۔ موخر الذکر مدرسۃ الاصلاح کے حالات و کوائف سے

قوم کو باخبر کرنے کے لئے نکالا گیا تھا جس میں دو ایک اصلاحی و دینی مضامین بھی شائع ہوتے تھے، یہ کوئی محققانہ رسالہ بھی نہیں تھا اس کے دو شمارے بہت پہلے میری نظر سے گزرے تھے، ایک میں مولانا امین احسن صاحب کا اور دوسرے میں مولانا آزاد مرحوم صاحب کا کوئی مضمون شامل تھا، باقی مشمولات غالباً مولانا ابو اللیث صاحب ہی کے قلم سے تھے۔ یہاں بحث مولانا امین احسن صاحب کے الاصلاح سے ہے نا کہ مولانا ابو اللیث صاحب کے اصلاح سے۔

ڈاکٹر فیاض حمید صاحب نے مولانا ابو اللیث صاحب کو مولانا امین احسن صاحب کا شاگرد ثابت کرنے کے لئے خواہ مخواہ لاطائل بحث کی ہے، جس کے بارے میں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فیاض حمید صاحب کا مولانا شبلی متکلم کو مولانا امین احسن صاحب کے رفقائے درس میں قرار دینا اس لحاظ سے صحیح ہے کہ مولانا حمید الدین صاحب مدرسۃ الاصلاح کے اساتذہ کو درس دیتے تھے، جس میں مولانا امین احسن صاحب اور ان کے ہم سبق ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے جو ان کے کبھی استاد رہ چکے تھے، اس پر فضل الرحمٰن اعظمی صاحب کی گرفت بیجا ہے۔

مولانا نظام الدین اصلاحی اپنے مضمون "مولانا ابوبکر اصلاحی مرحوم" میں رقم طراز ہیں۔ (حیات نو مئی ص ۳۰)

"یہ وقت ۴۶ء وہ تھا جب مدرسۃ الاصلاح کے کہنہ مشق اور سینیر اساتذہ بیک وقت علیحدہ کر دئے گئے" (حیات نو مئی ص ۳۰) یہ درست نہیں ہے، مدرسہ کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اساتذہ کرام علیحدہ نہیں کئے گئے تھے بلکہ انھوں نے خود استعفا دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ان حضرات نے تنگ آکر استعفا اس کشمکش کی وجہ سے دیا تھا جو جماعتی اور غیر جماعتی اساتذہ و طلبہ میں پیدا ہو گئی تھی، مولانا شبلی متکلم اور ان کے ہمنوا اساتذہ طلبہ کی تحریکی سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، مدرسہ کی منتظمہ نے تحریک و جماعت کے حامیوں کا

ساتھ دیا اس لئے وہ حضرات علیحدہ ہو گئے۔ البتہ بعد میں منتظمہ نے جماعت کے لوگوں کو علیحدہ ضرور کیا تھا مگر اس کے اسباب تھے۔ اور استعفا صرف چار حضرات کے منظور کئے گئے تھے مولانا شبلی متکلم اور مولانا محمد سعید ندوی کی دیرینہ خدمات کی بنا پر ان کے استعفے نہیں منظور کئے گئے تھے ان اساتذہ کے چلے جانے کے بعد مدرسہ کی خدمت کے لئے جو لوگ آئے ان میں مولانا نظام الدین صاحب نے مولانا جلیل احسن ندوی صاحب کا نام بھی لکھا ہے حالانکہ وہ اس کے کئی سال بعد آئے تھے اور پھر خود ہی چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے مگر پھر خود ہی مستعفی ہو گئے۔ مولانا ابوبکر صاحب کے ساتھ جو لوگ آئے تھے ان میں غالباً مولانا وددود احمد اور مولانا ادریس سرا کمیری بھی تھے جو فضلائے دیوبند میں تھے۔ مولانا نے ان لوگوں کا تذکرہ نہ کر کے مولانا جلیل احسن صاحب کا ذکر کیا ہے جو سہو قلم ہے۔

والسلام
ضیاء الدین اصلاحی

محترمی جناب انیس احمد صاحب، نائب مدیر حیات نو بلریا گنج،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

حیات نو کا تازہ شمارہ بابت مئی ۹۸ء اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ الحمد للہ اس کے جملہ مشتملات مفید اور معلوماتی ہیں۔ البتہ دو تین باتوں کیطرف توجہ دلانے کی ضرورت محسوس ہوئی، اختصار کے ساتھ انہیں قلم بند کر رہا ہوں۔

۱۔ آپ نے اداریہ میں مولانا ابوبکر اصلاحی مرحوم کے سانحہ ارتحال پر ملال پر اپنے تاثرات رقم فرمائے ہیں جو بلاشبہ مختصر مگر جامع ہیں۔ لیکن آپ نے اس اداریہ کے دوسرے پیراگراف میں مولانا مرحوم کی مدرسۃ الاصلاح سے علیحدگی کا سبب جماعت اسلامی ہند سے تعلق اور وابستگی قرار دیا ہے جو خلاف واقعہ ہے۔ مدرسۃ الاصلاح میں مولانا مرحوم کے قیام کا زمانہ جماعت اسلامی کے لحاظ سے بہت زیادہ خوشگوار

اور موافق تھا۔ اس وقت مولانا اختر احسن اصلاحیؒ باحیات تھے۔ وہ جماعت کے صف اول کے قائد اور مدرسۃ الاصلاح کے صدر مدرس تھے۔ دراصل مولانا ابوبکر اصلاحی مرحوم کی علیحدگی کا سبب جماعتی ضروریات اور مصالح تھیں۔

مولانا مدرسہ میں تدریس سے وابستہ ہونے کے باوجود جماعت اسلامی اترپردیش کے بعض مشرقی اضلاع کے ذمہ دار تھے۔ پھر جب جماعتی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئیں اور تدریس کے تقاضوں کی تکمیل میں دقتیں پیش آنے لگیں تو مولانا نے از خود مدرسہ سے علیحدہ ہونے کی درخواست پیش کی جسے ارباب مدرسہ نے منظور فرمالیا۔

۲۔ حیات نو کے گزشتہ تین چار شماروں میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی سیرت اور شخصیت سے متعلق بعض مضامین اور مراسلات شائع ہوئے ہیں۔ خطوط میں سے بیشتر کا محرک برادرم ڈاکٹر فیاض حمید صاحب کا مضمون بنا ہے۔ گرچہ بعض سینئر اور بزرگ اصلاحی حضرات کی توضیحات کے ذریعہ مضمون کے قابل اصلاح امور کی وضاحت ہو گئی تھی اور ان کے تقابلی مطالعہ سے حقیقت اور امر واقعہ کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن مجھے سخت تعجب اور حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر فیاض حمید صاحب نے اپنی غلط بیانیوں سے مراجعت کے بجائے انکی صحت پر اصرار کیا ہے جو کسی پڑھے لکھے فرد کیلئے مناسب نہیں ہے۔

میں سابقہ مباحث کے اعادہ اور تکرار سے گریز کرتے ہوئے بالکل اصولی نوعیت کی دو باتیں عرض کرونگا۔ پہلی بات یہ کہ مدرسۃ الاصلاح، مجلۃ الاصلاح کی فائلیں اور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک کی مدرسۃ الاصلاح کی تاریخ اور اس دور میں اس سے وابستہ طلبہ و اساتذہ، بیسویں صدی کی پیداوار اور زندہ حقائق ہیں۔ اگر ان سے متعلق کوئی بات زیر تحریر لائی ہو تو معمولی توجہ اور کد و کاوش سے اصلی حقائق تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ کسی شخص کی ذاتی اور خانگی زندگی

سے متعلق بہترین مرجع اسکے قریبی اعزہ اور لواحقین ہوتے ہیں اگر یہ متعلقین موجود ہوں تو مختلف فیہ امور میں ایک محقق کو لازماً ان کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر فیاض حمید صاحب نے اپنے مضمون اور مراسلہ میں مذکورہ بالا دونوں اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ انھوں نے مجلۃ الاصلاح اور مدرسۃ الاصلاح سے متعلق مسائل میں ان لوگوں کی تحریروں کو بنیاد بنایا ہے جن کی حیثیت گواہ اور شاہد کے بجائے راوی اور سامع کی ہے اسی طرح مولانا کی ذاتی زندگی کے بارے میں بے بنیاد باتیں محض انکے ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

موقع کی مناسبت سے موصوف کو ایک بات اور یاد دلانا چاہتا ہوں کہ تحقیق کی دنیا میں مصادر اور مراجع کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ لیکن یہ مراجع کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض بنیادی نوعیت کے ہوتے ہیں تو بعض ثانوی نوعیت کے۔ ایک محقق کو اول درجے کے ماخذ کو بنیاد بنانا چاہیئے اور ثانوی نوعیت کے ماخذ سے گریز کرنا چاہیئے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ ہر مطبوعہ تحریر ماخذ نہیں ہوتی۔

۳۔ آپ نے گزشتہ ایک سال سے مذاہب عالم پر کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ سعی و کوشش قابل صد مدح و ستائش ہے دنیا کے مختلف مذاہب خاص طور سے اپنے ملک و معاشرہ میں رائج معتقدات اور نظریات سے واقفیت کا حصول ایک داعی اور مبلغ کے لئے انتہائی ضروری ہے، لیکن اس سلسلے میں ایک حقیر مشورہ یہ ہے کہ حیات نو جیسے مجلہ میں طویل مضامین کی قسط وار اشاعت بہت زیادہ مفید اور مناسب معلوم نہیں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر مختصر اور جامع مضمون ہو تو زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ قسط وار مضامین کا سب سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ قاری اس کے طول عمل سے اکتا جاتا ہے اور اس کی طبیعت اس کی طرف راغب نہیں ہوتی خاص طور سے اگر یہ مضامین علمی اور تحقیقی ہوں۔ اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ مذاہب کے مطالعہ میں ہمیں سب سے زیادہ ہندوستانی

مذاہب پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے ابطال اور عقیدہ توحید و آخرت کے اثبات کی کوشش کرنی چاہیے جس سے شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہندوستانی سماج کو خدائے واحد و لاشریک کی طرف لایا جا سکتا ہے۔

والسلام

ڈاکٹر محمد سلطان اصلاحی

جناب انیس احمد فلاحی صاحب

معاون مدیر "حیات نو" جامعۃ الاصلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

مکرمی و محترمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

فروری کے حیات نو میں ناظم جامعہ کے ساتھ آپ کے سفر دہلی کی روداد بڑے شوق سے پڑھی۔ غالباً ایک طویل عرصے کے بعد لائبریری کے لیے کتابیں خریدی گئی ہیں۔ کوشش کیجیے کہ اب یہ سلسلہ پابندی کے ساتھ ہر سال جاری رہے۔ خریداری میں تنوع ضرور پیش نظر رہے۔

"دعوت" کے ذریعہ مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ مرحوم جامعہ کے اولین معماروں میں سے تھے اور ایک مختصر عرصہ کو چھوڑ کر آخر وقت تک جامعہ ہی سے وابستہ رہے اور مختلف ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ نیز مرحوم کا تعلق تحریک اسلامی کے اس گروہ سے تھا جس نے اپنا تن من دھن سب کچھ تحریک کے لیے وقف کر دیا تھا۔ میں چند روز قبل حیات نو کے پرانے پرچے دیکھ رہا تھا۔ ایک شمارہ میں ان کے قلم سے ایک مضمون بعنوان "ذکر حبیب" پر نظر پڑی جو مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر لکھا گیا تھا۔ مضمون پہلے بھی پڑھا تھا۔ لیکن اس مرتبہ پڑھتے ہوئے احساس کا عالم کچھ اور ہی تھا۔

حیات نو تیزی سے [illegible] رہا ہے۔ اس کو شعبہ ادبیات کی زیادہ سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ بصورت استشراق، ماسونیت، صہیونیت پر آپ اور دیگر حضرات کے مقالے نظر سے گزرتے رہے ہیں۔ مقالوں کی تیاری میں آپ لوگوں کی محنت قابل ستائش ہے۔ اللہ کرے قلم میں مزید توانائی اور اسلوب میں جامعیت پیدا ہو۔

ان مقالوں کے حوالے سے جو بات بری طرح کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تیاری میں مقالہ نگاروں نے ثانوی ماخذ استعمال کیے ہیں۔ یعنی ان موضوعات پر لکھی جانے والی عربی کتب ہی ان کا ماخذ رہی ہیں۔ اس پہلو سے ان مقالوں کی وہ حیثیت نہیں رہی جو اصل ماخذ سے استفادہ کیے ہوئے مقالوں کی ہوتی ہے۔ عربی ماخذ پر کلی اعتماد کی وجہ سے کئی جگہ افراد و اشیاء کے ناموں نے مضحکہ خیز شکل اختیار کر لی ہے یا ان کے بارے میں اشتباہ کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ وضاحت کی خاطر ذیل میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ایک مقالے میں صیہونی مشنری کے تحت نکلنے والے ایک پرچے کا ذکر کرتے ہوئے اس کا نام "مجلۃ العالم الاسلامی" بتایا گیا ہے۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یہ پرچہ عربی زبان میں نکلتا ہے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ پرچے کا نام "The Muslim World" ہے سہ ماہی ہے اور امریکہ سے نکلتا ہے۔ اسے سموئیل زویمر Samuel Zwemer نامی ایک عیسائی مبلغ نے ۱۹۱۱ء میں لندن سے نکالنا شروع کیا تھا۔ پھر اس کا مستقر امریکہ ہو گیا۔ یہ جرنل ابھی تک شائع ہو رہا ہے اور اس کا ناشر ایک مسیحی ادارہ (Hartford Seminary Foundation) ہے۔ شروع میں ٹائیٹل پر پرچہ کا نام اور مقصد اشاعت یوں درج ہوا کرتا تھا۔

The Moslem World: A Christian Quarterly Review of Current Affairs, Literature and Thought among Mohammedans and the Progress of Christian Mission in Moslem lands.

اب اس نام و بیان کی ترمیم شدہ شکل یہ ہے۔

The Muslim Word: A Quarterly Journal of Islamic Study and of Christian Interpretation among Muslims

اس کے موجودہ مدیر کا نام ابراہیم ابو ربیع ہے۔ معلوم نہیں موصوف مسلمان ہیں یا عیسائی۔ اسلام اور عالم اسلام پر لکھے گئے یہودیوں یا امریکی مصنفین کے مضامین وہ کتابیں اس پرچے میں شائع شدہ مضامین کے حوالوں سے شاید ہی خالی ملیں۔ اسی طرح بعض اور پرچوں کے نام عربی میں دیے گئے ہیں جبکہ اس وضاحت کی ضرورت تھی کہ وہ اصلاً کس زبان میں شائع ہوتے ہیں اور کس حیثیت کے ہیں۔ افراد اور جگہوں کے لیے بھی عربی املا ہی کو نقل کر دیا گیا ہے۔ اور یہ تحقیق نہیں کی گئی کہ اصل نام کیا ہے اور وہ اردو میں کس طرح رائج ہیں۔ چند مثالیں

ملاحظہ کریں۔

شمارہ و صفحہ	موجودہ املا	صحیح املا
مئی ۹۷ ص ۳۱	هولندا	ہالینڈ Holland
مئی ۹۷ ص ۳۱	توماس ارنولد	ٹامس آرنلڈ Thomas Arnold
مئی ۹۷ ص ۳۲	کینیث کراج	کینتھ کریگ Kenneth Crag
مئی ۹۷ ص ۳۲	دعوة و دعاة	معلوم نہیں یہ سہو کتابت ہے یا جہاں سے نقل کیا گیا ہے وہیں غلط تحریر ہے۔ بہرحال اس کا صحیح نام ہے دعوة مئذنة The Call of the Minaret
مئی ۹۷ ص ۴۳	دس۔ س۔ مرجلیوث	ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ David Samuel Margoliath
مئی ۹۷ ص ۴۳	ھ۔ ا۔ ر۔ جب	ایچ۔ اے۔ آر۔ گب Hamilton A.R. Gibb
مئی ۹۷ ص ۴۳	آج۔ اربری	اے۔ جے۔ آربری Arthur J. Arbery
مئی ۹۷ ص ۳۰	نیکولسون	نکلسن Nicholson
مئی ۹۷ ص ۳۱	الدعوة الى الاسلام	یہ آرنلڈ کی مشہور کتاب The Preaching Of Islam

کا عربی ترجمہ ہے۔ انہوں نے یہ کتاب اپنے قیام علی گڑھ کے دوران لکھی تھی جس پر مولانا فراہی کا یہ تبصرہ بالکل بجا ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد ختم کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے۔ مضمون میں کتاب کا نام (الدعوة الى الاسلام) درج کرنے کے بعد مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا عربی ترجمہ بھی ہوا ہے۔ اگر کتاب عربی میں ہے (جیسا کہ بظاہر مترشح ہی ہوتا ہے) تو عربی ترجمہ پہ معنی دارد؟

ان مصنفین کی تصنیفات کے نام بھی عربی میں دیے گئے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ ان تصنیفات کی اصل زبان عربی ہے۔ حالانکہ یہ انگلش یا دیگر یورپین زبانوں میں تحریر کی گئی ہیں۔ ہاں ان میں سے بعض کے ترجمے عربی میں بھی ہوئے ہیں۔

اسی طرح چارلس کو تشارلز، ویٹیکن کو فاتیکان، ہڈنگ پوسٹ کو مونخ پوست اور وکر مارلس کو فکتور ہڈسون کمنہ ٹرفی ہی قرار دینے کا۔

Jehovah's Witness کا ترجمہ شہود یہوہ عربی میں صحیح ہے لیکن اردو میں درست نہیں (فروری ۹۸)۔ اس کا اردو ترجمہ "گواہان یہوہ" ہونا چاہیے۔ Labour & Population

کے لیے اردو میں عربی کا "عمل والنتاج" درست نہیں ہے (مارچ ۹۸) اردو میں اس کے لیے محنت و پیداوار کی اصطلاح رائج ہے۔

اوپر حوالوں کے ساتھ مثالیں ایک سال قبل شائع ہونے والے شمارے سے ماخوذ ہیں۔ البتہ دیگر مثالیں بعد کے شماروں (آخری شمارہ مارچ ۹۸) سے لی گئی ہیں۔ یہ مثالیں بغرض وضاحت پیش کی گئی ہیں، استقصاء مقصود نہیں ہے۔ توقع ہے آپ اس جانب توجہ دیں گے۔

اخیر میں ایک تجویز پیش خدمت ہے۔ اگر کسی فلاحی کے بارے میں اس کی کسی کامیابی یا کسی حادثے کی خبر دی جائے تو بہتر ہوگا کہ ساتھ میں اس کا موجودہ پتہ بھی دے دیا جائے تاکہ اسے تہنیتی یا تعزیتی خط لکھا جا سکے۔ اسی طرح اس کے نام کے ساتھ اس کا سن فراغت بھی لکھا جائے تاکہ اس کی شخصیت کی تعیین میں آسانی ہو سکے۔ اب چونکہ ایک نام۔۔۔۔۔ کے کئی فراہی ہو گئے ہیں لہٰذا ان کی شناخت متعین کرنے میں دشواری پیش آتی ہے کہ فلاں خبر ایک جیسے نام رکھنے والے فراہیوں میں سے کس کے متعلق ہے۔ آپ "ش" "ب" کے بارے میں اگر کوئی خبر دیتے رہے ہوں اور اس طرح لکھیں "ب" (عالمیت ۱۹۹۸ فضیلت ۱۹۹۰) تو اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اساتذہ کرام و احباب کو سلام۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

نیاز مند

رضوان فراہی

جامعہ مصباح العلوم چوکونیاں میں انجمن طلبہ قدیم کا قیام

جامعہ مصباح میں عربی پنجم کے قیام کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سال تعلیمی مظاہرہ و اجتماع عام کے موقع پر انجمن طلبہ قدیم کا قیام عمل میں لایا جائے۔ لہٰذا جامعہ مصباح سے استفادہ کرنے والے جملہ طلبہ اپنے مستقل و عارضی پتے جلد ارسال کریں تاکہ وقت پر آپ کو مدعو کیا جاسکے یا انجمن کے متعلق مشورے طلب کئے جاسکیں۔

والسلام

مشتاق احمد فلاحی (صدر مدرس)

جامعہ مصباح العلوم چوکونیاں بھارت بھاڑی

سدھارتھ نگر (یوپی)

شاخ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

(یوپی)